عکس حیات

سوانح عمری

مولانا محمد عبداللہ صاحب جامعی سعیدی رحمہ اللہ

مرتبہ
ڈاکٹر محمد صبغتہ اللہ بن مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ
سابق پرنسپال گورنمنٹ ڈگری کالج مقیم بنگلور۔۳۲

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ

کتاب کا نام: عکس حیات

سوانح عمری: مولانا محمد عبداللہ جامعیؔ، سعیدیؔ

اشاعت اول: 2015 ء

مرتب و ناشر: پروفیسر ڈاکٹر محمد صبغۃ اللہ، ایم۔اے، پی۔ایچ ڈی

سرورق: جاوید اقبال جامعی کرنولی

تصاویر: محمد رضاء اللہ، عدنان شفقت اور جنید

گرافکس: عدنان شفقت متعلم (بی بی یم)

صفحات: 188

ملنے کا پتہ:

ا۔ نمبر 50-12 آشیانہ

فورتھ مین وسنتپا بلاک گنگانگر

بینگلورو: 032 560 کرناٹک سیل: 53825 94483

فہرست

ا۔تقریظ : مولانا اعجاز احمد ندوی ۵

۲۔ احوال واقعی :مرتب ۷

۳۔ باب ۱ رائیدرگ اور ہنگی خاندان ۱۵

۴۔ باب ۲ تعلیم ۵۵

۵۔ باب ۳ تلاش روزگار ۸۱

۶۔ باب ۴ اہم واقعات ۱۱۳

۷۔ باب ۵ تاریخ اہل حدیث ۱۳۱

۸۔ باب ۶ شخصیت ۱۶۷

۹۔ مرتب کا مختصر تعارف ۱۸۲

تقریظ

Abu Fouzan
Ajaz Ahmed Nadvi
M. N. 12, 1st Street, H.K.P. Road Cross
Behind Charminar Mosque
Shivajinagar, Bangalore - 560 051

ابو الفوزان اعجاز احمد ندوی

Ref. : Date ....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد !

تقریباً ایک صدی سے جماعت اہل حدیث کو بعض معاندین وحاسدین نومولود جماعت کے نام سے یاد آور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جبکہ تاریخ اہل حدیث اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ تاریخ اسلام۔ اہل حدیث کا وجود اسی دن ہوا ہے جس دن سے اسلام ظہور پذیر ہوا ہے۔ مگر کچھ متعصب ومتشدد مقلد علماء کی بے بنیاد اور غلط پروپیگنڈوں کی وجہ سے بسا اوقات عام مسلمان ہی نہیں بلکہ کم علم اہل حدیث افراد بھی غلط فہمیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ لہذا تاریخ اہل حدیث سے عام مسلمانوں کو آگاہ کرنا ایک واجبی امر بنا ہوا ہے۔

بڑی خوشی ومسرت کی بات ہے کہ شیخ محمد عبداللہ جامعی رحمہ اللہ کے بڑے فرزند جناب ڈاکٹر محمد صبغۃ اللہ حفظہ اللہ نے تاریخ اہل حدیث کرناٹک جیسے حساس موضوع کو ترتیب دینے کے خاطر اپنے قلم کو حرکت دی اور اس کا مکمل حق ادا کرنے کی کوشش کی نیز میسور و چامراج نگر کے اہل حدیث مساجد کی تصاویر بھی شائع کی۔ ساتھ ہی ساتھ شیخ محمد عبداللہ جامعی سعیدی رحمہ اللہ کی سوانحی کوائف کو بھی ملا دیا۔ اس طرح یہ کتاب بیک وقت "تھری ان ون" (THREE IN ONE) ہو گیا۔

(۱) تاریخ اہل حدیث (۲) مساجد اہل حدیث کا البم (۳) سیرت شیخ محمد عبداللہ جامعی رحمہ اللہ

اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ اور اس کتاب کو ان کی مغفرت ونجات کا ذریعہ بنائے (آمین)

خیر اندیش

اعجاز احمد ندوی
امام وخطیب مرکزی مسجد اہل حدیث چار مینار بنگلور

Belahsa Chowdhary, Itwa Bazaar, Siddharth Nagar, U.P. - 272 192
Azad Compound, Gandhinagar, Charkop, Kandivaly (W), Mumbai - 400 067

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احوال واقعی

والد محترم استاذ الاساتذہ الحاج مولانا مولوی محمد عبداللہ صاحب جامعی، سعیدیؔ، رائیدرگی جنوبی ہند کے مشہور عالم دین، معروف خطیب، بقیۃ السلف، حامی کتاب وسنت، قامع شرک وبدعت، خادم دین مبین، محبّ العلم والعماء علمائے اہل حدیث میں ایک معروف ہستی گذرے ہیں۔ خاص کر کرناٹک میں ان کی دینی خدمات قابل صد ستائش اور یادگار رہیں گے۔ والد صاحب کی ساری عمر عزیز تعلیم وتعلم، علم دین کی خدمت، دینی کتب کا مطالعہ اور سرکاری ملازمت میں بسر ہوئی۔ زندگی کی آخری سانس تک دعوت وتبلیغ، وعظ وارشاد، جیسے مقدس عمل میں مصروف رہے۔

آپ نے زندگی کے نشیب وفراز دیکھے متاثرہ حالات چاہے وہ خوشی کے ہوں یا غم کے ہر اہم حالت کو اپنے روزنامچے میں تحریر کرتے تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد ان کے تمام آثار کو جمع کیا گیا، جس میں ان کا تذکرہ، تاریخ اہل حدیث کا مسودہ، اور روزنامچے بطور دستاویز محفوظ کر لئے گئے۔

تذکرہ میں ابتدائی زندگی کے حالات اپنے حافظہ سے درج کئے ہیں، یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں انہوں نے شمالی ہند کا رخ کیوں کیا؟ جبکہ ان کے بیشتر ساتھیوں نے دکن کی درسگاہوں کا رخ کیا تھا۔ بچپن میں والدہ کے انتقال کے بعد ان کی کیا حالت رہی؟ جس کے باعث وہ شمالی ہند چلے گئے یا کسی اور کے مشورہ سے وہ دور دراز شہروں میں پہنچے جبکہ سارا ہندوستان آزادی کے لئے پر تول رہا تھا ایسے پر آشوب دور میں کئی حادثوں سے بچ کر سلامتی کے ساتھ اپنی اعلیٰ تعلیم ختم کر کے واپس آنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔

جامعہ محمدیہ کے ابنائے قدیم ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمارے رشتے کے دادا مولانا سید

اسماعیل صاحب کی مساعیٔ جمیلہ نے شرک وبدعت کے ماحول سے نکال کرسلف صالحین کے راستے پر اپنے ساتھیوں اوراگلی پیڑھی کوڈال دیااس زمانے کالگایا ہواایک پوداآج ایک تناوروسایہ داردرخت بن کراپنے سایہ میں موحدوں کوراحت پہنچارہاہے۔سلف صالحین کے طریقہ کوقائم رکھنے کے لئے ابنائے جامعہ نے اہم رول ادا کیاہے،ان کے کارنامے اب تک پردۂ خفامیں ہیں،تھوڑے عرصہ کے بعدشاید ان کوبھی بھلا دیا جائے اورہم اپنے ہی علماءاورسلف سے نابلدرہ جائیں گے،اسی مقصد کےتحت ان حضرات نے ان علماء کے سوانحی کوائف کوشائع کرنے کابیڑہ اٹھایاجوایک تاریخی کارنامہ ہے۔خیال ہوا کہ ابنائے جامعہ کے جہاں سوانحی کوائف سامنے آرہے ہیں ان میں والدمحترم کا نام بھی شامل ہو جائے۔ان کے تمام تبرکات کوجمع کرکے اس کوکتابی شکل میں لانے کی جراءت کی ہے۔ایک عرصہ تک یہ تمام چیزیں سرد خانہ میں پڑی رہیں،سرکاری ملازمت کی مصروفیات اورجابجا تبادلے،ان کومرتب کرکے ایک مستند دستاویزی شکل دینے میں مانع رہے۔وظیفہ یابی کے بعدبھی چند سال تک اور مصروفیتوں کے باعث تاخیررہی۔چچامولاناعبدالغنی عمری سیفیؔ کی سوانح نقوش حیات،ایک اورمثال سامنے آئی،ان کے عزیز شاگرد نے دوردراز مقام پربیٹھ کرتمام کوائف کوجمع کرکے شائع کیا،جبکہ والد صاحب کا سارا موادموجود ہے اور رشتہ دار بھی قریب ہیں، جانا مانا علاقہ ہے تو کیوں نہ پہل کی جائے،یہ سوچ کرمن وعن ان حالات کومرتب کیا گیا،پھر بھائی عبدالباری بن مولاناعبدالغنی سیفیؔ،وظیفہ یاب ہائی سکول ہیڈ ماسٹر،بھائی امیرحمزہ پوتا سیداسماعیل بانی جامعہ،مولاناعبدالباسط صاحب جامعی ریاضی وظیفہ یاب پرنسپال جامعہ محمدیہ،کوان کی ایک نقل روانہ کی تاکہ درج شدہ واقعات کی تصدیق ہو،انھوں نے اس کابغور مطالعہ کیااوراپنے زرین مفید مشورے بھی دئے جس کامشکور ہوں۔

اس مرحلہ کو طے کرنے میں کچھ وقت لگا۔اس درمیان ماہ مئی ۲۰۱۳ء میں چامراجنگر جانا ہواکہ والد صاحب نے تاریخ اہل حدیث میں جن مقامات کا تذکرہ کیاہے،جس پرانیس (۱۹/) سال کا عرصہ گذرچکاہے،کیوں نہ خودبہ نفس نفیس اس کا جائزہ لیاجائے۔اس بارے میں برادرصغیر محمدرضاءاللہ سے

مشورہ رہا انہوں نے میری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ایک ہفتہ تک اپنی مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر ساتھ رہے۔عدنان شفقت نے کار کی سٹیرنگ سنبھالی، ایک ہفتہ کی لگاتار تگ ودو، ایک ہزار کیلومیٹر کا سفر طے کر کے ضلع چامراجنگر، ضلع میسور وضلع منڈیا کا دورہ کیا گیا۔ جماعتی احباب سے ملاقاتیں رہیں اوران مساجد کے فوٹو بھی حاصل کئے، جہاں والد صاحب نے دینی خدمت انجام دی تھیں۔

شہر چامراج نگر میں جماعت اہل حدیث کی دومنزلہ وسیع وخوبصورت مرکزی مسجد ہے۔ابتداء میں یہاں ایک چھوٹی مسجد تھی، دن بدن جماعت کی کثرت کے باعث جگہ کی تنگی محسوس کی جانے لگی۔مسجد کے اطراف میں بڑی جگہ مختص تھی۔اس مسجد کی بنیاد نہ ہونے باعث شکستہ حالت میں تھی تو اسی جگہ نئی مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں پہل ہوئی تو اس کیلئے والد صاحب بھی کوشاں رہے، کئی جگہوں کا دورہ کیا، نیا پلان تیار کروایا اور مقامی اور بیرونی مقامات سے چندہ بھی اکٹھا کرنے میں اہم حصہ لیا، اسی مسجد میں والد صاحب نے زندگی کا ایک بڑا حصہ دینی خدمت کے لئے وقف کردیا،شہر کی وسعت بڑھی تو جماعت کی ایک اور خوبصورت مسجد احمد نگر میں بنی، جس کے لئے آپ نے زمین فراہم کی جس کا ریکارڈ موجود ہے۔

میری زوجہ محترمہ فرخندہ ریحانہ کوثری عرف یم ملکہ جان، یم اے۔ بی ایڈ، سرکاری ہائی سکول ٹیچر نے وظیفہ یابی کے بعد چاہا تھا کہ اپنے صرف خاص سے رائیدرگ کے جامعہ کی نئی عمارت سے متصل مسجد کی تعمیر میں حصہ لیں، تین سال کے طویل انتظار کے باوجود مسئلہ حل نہ ہوا تو، یہاں بیرون شہر چامراجنگر اوٹی روڈ پر ایک عربی مدرسہ کے لئے مسجد کی اشد ضرورت تھی، جس کا نام مسجد آفتاب ہے نچلی منزل تعمیر کروائی۔مورخہ ۱۴/ مارچ ۲۰۰۸ء مطابق ۵/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ بروز جمعہ بوقت مغرب افتتاح ہوا۔جس سے طلباء کو بڑی سہولت ہوئی اور اطراف اکناف کے قریہ جات کے لوگ بھی یہاں نماز کے لئے آجاتے ہیں۔مسجد لب سڑک ہے، مسافر بھی یہاں وقت ضرورت نماز پڑھتے ہیں۔کھلی جگہ، پاک صاف آب وہوا، مسجد کے اطراف باغیچہ میں سایہ دار پھل دار درخت اور پھولوں سے لدے خوشبودار پودے، اس درمیان خوبصورت دومنزلہ مسجد کی عمارت مینار کے ساتھ بہت بھلی لگتی ہے۔نمازی

کو یہاں سکون میسر آتا ہے۔

شہر چامراجنگر کے مشرقی سمت ڈیڑھ میل کی مسافت پر رام سمندر آباد ہے۔ یہاں بھی جماعت کی مسجد اور مدرسہ قائم ہے۔اسی سمت آگے بڑھیں تو، ہبسور، دِڈّاپور، ہنگنور اور چاٹی پور قریہ جات ہیں۔ یہاں بھی خوبصورت مساجد ہیں۔ جماعتی بیداری نہ ہونے کے باعث یہاں کے لوگ تبلیغی جماعت کے زیر اثر آگئے ہیں۔ چاٹی پور، سارا گاؤں اہل حدیث ہے اصلاح المساجد کی کوشش سے خوبصورت مسجد تعمیر ہوئی۔

چامراجنگر سے تقریباً ۲۵ کیلو میٹر کے فاصلہ پراوٹی کے راستہ میں گنڈل پیٹ ہے۔ نماز ظہر میں جماعتی احباب سے ملاقات رہی اصلاح المساجد کی اعانت سے خوبصورت مسجد بنی ہے۔اس کا ایک رہائشی مدرسہ کا انتظام بھی ہے۔ والدمحترم کے شناسا جناب رحمت اللہ صاحب سے ملاقات رہی، گھٹیا کے مریض، گھر پر ملاقات رہی، بالکل والد کے ہم شکل، بڑی شفقت سے پیش آئے، والد کے زمانے کی بہت سی باتوں کو یاد کیا۔ان کے بچوں کے سارے نکاح خوانی والد نے ہی کی تھی۔انہیں کے ایک عالم فرزند اس مسجد کی امامت کی ذمہ داری سنبھال رہے ہیں۔ رائیدرگ کے مدرسہ سے فارغ ہیں۔

اس مسجد کے وقف کا ایک مسئلہ والد صاحب کے زمانہ سے کھٹائی میں پڑا ہوا تھا وہ یہ کہ میر امیر الدین قریشی مرحوم صدر جمعیت اہل حدیث نے اپنا ایک مکان مسجد اہل حدیث کو وقف کیا سوچا تھا کہ بعد میں اس کی دستاویز بنا دیں گے، زندگی نے وفا نہ کی، ان کے ایک رشتہ دار نے اس پر قبضہ جما لیا اور پھر اس کو ایک غیر قوم کو بیچ بھی دیا، کورٹ کچہری کا سلسلہ بڑا طویل پکڑا، سپریم کورٹ تک معاملہ پہنچا، اور امید ہے کہ وہ جائداد وقف بورڈ کی وساطت سے مسجد کو ہی مل جائے گی۔یہیں پتہ چلا کہ ہونڈر بال (کولیگال تعلق) کی جماعت کے لئے ایک مسجد کی اشد ضرورت ہے، مرکزی جماعت اہل حدیث چامراجنگر کا تعاون رہا تو یہاں کی جماعت کے لئے مسجد کا انتظام ہوسکتا ہے۔ دوسرے دن دوپہر تین بجے یہاں بھی جانا ہوا لیکن جماعتی احباب سے ملاقات نہ ہوسکی۔ یہاں لب سڑک خوبصورت مسجد اعظم

ہے۔تبلیغی جماعت کے زیر اثر ہے۔

عصر کے وقت کل کنُی جانا ہوا، یہاں جماعت اہل حدیث ہے۔والد صاحب کے جان پہچان کے لوگوں سے ملاقات ہوئی، زمیندار لوگ ہیں، خوش حال طبقہ ہے، پختے وسیع وعریض مکانات کے درمیان خوبصورت مسجد ہے۔ پہلے یہاں ایک مکان میں جماعت ہوا کرتی تھی ،اصلاح المساجد کی امداد سے نئ مسجد بنی ہے، پتہ چلا کہ مسجد کی آمدنی کے کوئی مستقل ذرائع نہیں ہیں ،کوئی صاحب امام مسجد کی تنخواہ دیتے ہیں تو کوئی بجلی کی بھرپائی کردیتے ہیں۔ پہلے کثیر جماعت تھی لیکن اب تعلیم یافتہ اکثر خاندان بنگلور میسور وغیرہ چلے گئے ہیں صرف دس بارہ مکانات کے لوگ اس جماعت میں ہیں۔

اگلے دن نگرلہ جانا ہوا یہاں بھی دو مساجد ہیں ایک لب سڑک اصلاح المساجد سے بڑی خوبصورت بنی ہے، یہاں بھی جماعتی احباب سے ملاقات رہی۔گاؤں کے درمیان بھی ایک چھوٹی مسجد ہے یہاں کا سارگاؤں اہل حدیث ہے۔ یہاں سے نجن گڈھ جانا ہوا، جماعت احباب کی کوششوں سے یہاں بھی دومنزلہ مسجد تعمیر ہوئی ہے، جماعتی احباب سے ملاقات نہ ہوسکی۔

میسور: مرکزی جماعت اہل حدیث سلفیہ ایرنگرہ اشوکہ روڈ میسور یہاں بھی دومنزلہ مسجد ہے۔ پہلے یہاں ایک مکان میں مسجد کا کام چلایا جارہا تھا، اصلاح المساجد کے تعاون سے نئ مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ جناب اہل اللہ خان صاحب سابق لیبرانسپکٹر میسور اور جناب امان اللہ صاحب، (پوتا شاہ صاحب) ذمہ دار مسجد سے ملاقات رہی، جواس جماعت کی اہم ہستیاں ہیں، خاندانی اہل حدیث ہیں۔انہوں نے بتایا کہ والد صاحب وظیفہ یابی کے بعد جمعہ کے دن میسور دس اور ساڑھے دس کے درمیان پابندی کے ساتھ پہنچ جاتے ،ناشتہ سے فارغ ہوگئے ہوتے تو تھوڑی دیر استراحت کے بعد جمعہ کا خطبہ دیا کرتے ورنہ وہیں ناشتہ کرلیا کرتے۔ بعد نماز جمعہ واپس چلے آتے۔

یہاں غوثیہ نگر میں مسجد اہل حدیث سلفیہ ہے جہاں والد صاحب وقتاً فوقتاً جمعہ کا خطبہ اور مستورات کے اجتماع سے خطاب کے بعد چامراجنگر واپس لوٹتے۔اسی غوثیہ نگر میں مسجد تقویٰ ایک عالی شان مسجد

اور مدرسہ ہے جو بنات کے لئے مختص ہے۔انہیں سے معلوم ہوا کہ میسور میں ایک اور مسجد اہل حدیث ٹمل والوں نے بنوائی ہے،جگہ کا نام بھی بتایا تھا، یاد نہیں رہا۔ایک اور جگہ بنّی منڈپ میں ملیالیوں نے ایک اور مسجد اہل حدیث تعمیر کی ہے۔اس طرح جماعت اہل حدیث کی میسور میں کل پانچ مسجدیں اور مدارس آباد ہیں۔ پانڈوپور میں بھی جماعت اہل حدیث کی قدیم جماعت ہے،مسجد کی حالت خستہ تھی، لیکن اب اس کی تجدید کاری کے بعد شاندار مسجد تعمیر ہوئی ہے اس مسجد کے لئے تری زمین وقف ہے۔جس سے مسجد کی آمدنی ہو جاتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث میں میسور منڈیا اور چامراجنگر کا تذکرہ آیا ہے۔چامراج نگراب ضلع بن چکا ہے۔ جس میں گنڈل پیٹ کولےّ گال ، سنتے مرہلی وغیرہ جو پہلے میسور ضلع میں تھے اب چامراجنگر ضلع میں آگئے ہیں۔ ہنسور کا تذکرہ بھی ہے ہنسور جا نہیں سکا۔والد صاحب رمضان کے مہینے میں جماعتی دعوتوں پر رمضان میں اپنی چھٹی لے کر جایا کرتے ۔اور عام طویل تعطیلات میں تبلیغی دوروں کے سلسلے میں اوٹی، مدراس، ترچنا پلی، بلہاری، داونگیرہ، ہندوپور، سرسی بنواسی، ہیگڈے کٹہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے، وہاں تک جا نہیں سکا۔

سرکاری ملازت کی تیس سالہ طویل سروس آپ نے مختلف جگہوں پر خدمت کی۔اس لحاظ سے شاگردوں کی کثیر تعداد ہے۔اکثر شاگرد اعلیٰ تعلیم سے سرفراز ہو کر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے ،کئی ایک ڈاکٹر ،انجینیر ،اعلیٰ افسران وغیرہ بھی بنے۔ان کے شاگردوں کی بات چلی ہے تو، میں نے خود ان کی اولاد ہونے کے علاوہ ان کی استاذی کا اعزاز پایا، دین و دنیا دونوں کی تعلیم دی ،گراجیوشن تک اردو انہوں نے خود پڑھائی۔ڈھیر ساری دعائیں جو میرے لئے ہوئیں اور جو شفقت اور محبت ایک اولاد اور شاگرد کے لئے تھیں وہ میرے حصہ میں آئیں خدا کا بے انتہا شکر ہے کہ اس نے آپ کی دعاؤں سے اعلیٰ عہدے تک پہنچایا،ان کی سوانح مرتب کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔

شاگردوں (مرد،عورت، ہندو مسلمان) کی بات یہ کہ جب بھی کہیں آپ سے ملاقات ہوتی تو

انتہائی ادب اور عقیدت سے ملتے، یہ ان کو پہچان نہ بھی پائیں تو اپنا تعارف کروا کر ملاقات کرتے اور خوش ہوتے۔ایک استاد کے لئے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے۔طلباء کی شفقت، الفت اور عزت ہی ایک استاد کے لئے عظیم سرمایہ ہے۔

اکثر ہم عصر علماء نہیں رہے، جن سے والد صاحب کے بارے میں مزید معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں۔ایک مولانا حمادؔ صاحب ہیں جن سے کبھی کبھی کسی ادبی جلسوں اور سیمیناروں میں ملاقات ہوجاتی ہے ۔ مولانا عبد الوہاب صاحب جامعیؔ سے رائیدرگ کے اس سالانہ جلسہ میں سرسری ملاقات رہی، آپ نے مسودہ دیکھا تھا جس کے توسط سے آپ نے فرمایا کہ ہمارے نانا صدیق حسین صاحب کا نام دیکھ کر خوشی ہوئی اس لحاظ سے مولانا میرے رشتہ دار ہیں، پرانے اخبارات میں آپ نے والد صاحب کے مضامین اور ان کے کلام کا تذکرہ کیا تھا، جس کا والد صاحب کے پاس صرف حوالے ملتے ہیں نہ کہ اصل متن، میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ ان کی نقل مجھے عطا کریں۔مولانا عبدالباسط صاحب، جامعیؔ، ریاضیؔ سابق پرنسپال مدرسۂ محمدیہ رائیدرگ ہمارے رشتہ کے بارے میں لکھا ہے کہ 'جب وہ چھوٹے تھے تو دادا عبدالقدوس اور ان کے بھائی ان کو کھلایا کرتے تھے اس زمانے میں خلیرے رشتہ رکھنے کے باوجود سگے بھائی بہنوں کی محبت پائی جاتی تھی'۔اس طرح رائیدرگ کا چپہ چپہ رشتہ داروں سے بھرا ہے۔مولانا عبدالغنی سیفیؔ سگے خالہ زاد بھائی تھے ان میں بھی وہی محبت اور لگاؤ تھا، ان کی اولاد بھی وہی خصوصیات کی حامل ہے ان میں اور ہم میں سگے بھائیوں جیسا رشتہ ہے۔خدا اس محبت والفت کو قائم ودائم رکھے۔آمین

اس کتاب کے مختلف ابواب ہیں، پہلا باب رائیدرگ کے بارے میں عام معلومات کے ساتھ ساتھ تاریخ کے کچھ گوشے، ہنگی خاندان کی بے مثال دینی خدمات خاص کر جماعت اہل حدیث اور مدرسہ محمدیہ کے ابتدائی تاریخ سے متعلق ہے۔دوسرا باب والد صاحب کی تعلیم اور پرآشوب آزادی کے دور سے متعلق ہے۔تیسرا باب والد صاحب کی دینی اور سرکاری ملازمت سے متعلق ہے۔چوتھا باب ان

کی زندگی کے نشیب وفراز اور اہم واقعات پر مبنی ہے۔ پانچواں باب تاریخ اہل حدیث، چھٹواں باب ان کی شخصیت۔ والد صاحب کی یہ سوانح کچھ میری زبانی اور کچھ ان کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ جہاں ضروری سمجھا گیا وہاں کچھ باتیں اپنی بیان کی گئی ہیں جیسا کہ احوال واقعی اور چھٹواں باب، جس میں اپنے تاثرات قلم بند کئے ہیں، مساجد کی تصویریں جمع کی ہیں بقیہ سارا مواد ایسا ہے جو انہیں کی زبانی من وعن پیش کر دیا گیا ہے۔ امید کہ یہ کتاب ابنائے جامعہ میں ایک اور اضافہ ثابت ہوگی، اس کتاب کی تیاری میں مولانا عبدالباسط ریاضی، برادرم ماسٹر عبدالباری رائید رگ نے مخلصانہ، مفید مشورے دئے، مولانا اعجاز احمد ندوی، اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود اس کتاب پر تقریظ لکھ کر حوصلہ بڑھایا جن کا تہ دل سے مشکور وممنون ہوں۔

بنگلور والسلام

مورخہ ۵ جنوری ۲۰۱۵ء ڈاکٹر محمد صبغۃ اللہ

باب ا

ا۔ رائیدرگ کا محل وقوع	۷
۲۔تاریخ رائیدرگ	۱۷
۳۔ جماعت اہل حدیث کیلیئے ہمارے ہنگی خاندان کا ایثار	۲۶
۴ ۔مولانا عبدالغنی سیفی عمری	۳۰
۵۔سید سرمست حسین عرف سید عبداللہ صاحب کا توحیدی مشن	۳۶
٦۔ مدرسئہ محمدیہ کی ابتدائی تاریخ	۳۹
۷۔ مدرسہ وانجمن محمدیہ	۳۹
۸۔ مدرسہ کی تاسیس	۴۰
۹۔ مدرسئہ محمدیہ، محلّہ ہنڈیگار	۴۰
۱۰۔ہنگی متولی محمد عمر صاحب کی خدمات	۴۰
۱۱۔ ہنگی چھوٹے امام صاحب	۴۱
۱۲۔جامعہ محمدیہ عربیہ	۴۲
۱۳۔مولانا سید اسمعیل صاحب مرحوم	۴۸

رائیدرگ کا محل وقوع:۔

یہ جنوبی ہند کی ریاست آندھرا پردیش کے اننت پور ضلع کا ایک گاؤں ہے، ریاست آندھرا پردیش کی تشکیل سے قبل ضلع بلاری ریاست تمل ناڈو میں تھا۔ یہ گاؤں کرناٹک کے سرحدی گاؤں ملکالمرو سے سات میل کے فاصلہ پر واقع ہے، سارا شہر پہاڑ کی وادی میں بسا ہے۔آبادی لگ بھگ ۶۰ ہزار نفوس پر مشتمل ہے، سطح سمندر سے دو ہزار فٹ بلندی پر ہے۔ یہاں کی آب وہوا معتدل رہتی ہے۔

رائیدرگ تاریخی شہر ہے۔ یہاں کے پالیگاروں اور راجاؤں کے حالات تذکرۃ البلاد والحکام میں میر حسین علی کرمانی نے بیان کیا ہے اس کے چند دلچسپ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

تاریخ رائیدرگ:۔

یہاں کی کیفیت یہ ہے کہ ہری چند رائل کے دور میں یعنی اندازاً ۷۷۳ھ/۱۳۷۰ء میں بھوپت راؤ اس سمت میں نامزد ہوکر کوہستان کی طرف آیا اور قلعہ کی تعمیر شروع کی۔ تین چار پہاڑیوں پر مٹی کا حصار برج وبارہ کے ساتھ تعمیر کروایا اس کا نام رای درگ رکھا۔اس نے درمیانی پہاڑ جو کہ سب سے پست اور وسیع تھا اور جہاں کی آب وہوا بہتر تھی عمارت تعمیر کرا کرا سے اپنی اقامت گاہ قرار دیا۔

اگر چہ کہ سلسلہ کوہ تین چار فرسنگ جریبی ہے لیکن اس کا درمیانی حصہ ہولناک بیابان میں واقع ہے اور شیروں کا مسکن ہے جس کی وجہ سے رہزن حرامیوں کی جائے پناہ بنا ہوا ہے۔اس کی مشرق میں میدان ہے اور اکثر مقامات پر کھجور کے باغات اور پہاڑیاں ہیں۔مغرب میں تین فرسنگ تک پہاڑی سلسلہ اور سخت جنگل چتلدرگ کی سرحد ہے۔آب وہوا گرم وخشک اور میٹھا پانی کم ہے۔

راؤ نے ناچیز پہاڑ کو اپنا دارالمقر بنایا اور نام آوری اور ترقی دولت کی حسرت میں گذر گیا۔اس قلعہ اور

معمورہ کی حراست میں بیس سال بعد اس کے فرزند سری پت رایا کے قبضہ میں آئے۔ اس کے بعد یہاں پر کشن راج کے عہد تک اس کی اولاد ہی حکومت کرتی رہی اور نواح کی آبادی بڑھانے کی کوشش کرتی رہی۔

جب راجہ موصوف ملک گیری کے عزم اور اپنے محروسہ علاقوں کے دریافت حال کے لئے نکلا یہاں کے حالت کا بندوبست کرنے اور رعایا کے حال پر غور کرنے کے بعد درگ مذکور میں جا کر قیام کیا۔ اپنے کار پردازوں کی التماس پر سنہ نو سو تیئیس ۹۲۳ھ م ۱۵۰۸ء میں تعلقہ معہ قلعہ چن چاپ نائک کے حوالے کر دیا جو کہ قوم بیڈر سے تھا اور رائل کا بھائی تھا وہ اپنی دانائی اور کار آموزگی کے لئے مشہور تھا اور اس نے دولت خواہی کے لئے کئی کارہائے نمایاں کیے تھے اسکی پرورش رائل کو مقصود تھی۔ اس کے بعد سے قلعہ اور اس توابع قوم بیڈر کے تصرف میں آ گئے۔

نامبردہ (چن چاب نائک) نے قلعہ کوہ کو جو مٹی سے بنا ہوا تھا تڑوا کر اسے پتھر اور گچ سے تعمیر کروایا۔ اس نے درست آئین کے ساتھ پینتالیس ۴۵ سال تک حکومت کی اس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی بلی چاب نائک اس حکومت پر متمکن ہوا اور درست آئین کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔

بلی چاب نائک بھی اسی ربط وضبط کے ساتھ سینسٹھ (٦٧) سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ چونکہ اس کے اولاد قابل حکومت و ریاست نہیں تھی اور اپنا وقت اوباش منشوں کے ساتھ گزارتے تھے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ ؎

ہر کہنہ گدائے کہ تونگر کردد تا چہل سال ازو بوی گدائی نہ رود

پس نایک متوفی کی بیوی نے اپنے چچا زاد بھائی کے بیٹے کو جسکا نام بومل نائک تھا شوہر کا قائم مقام بنایا۔ نامبردہ نے چند سال اسی آئین کے ساتھ حکومت کی اور یلتمراج کیساتھ جسے کہ رام راجہ کے قتل (جنگ رکّا تنگڈی = تالیکوٹ ۱۵٦۵ء) کے بعد بادشاہان اسلام کے وسیلہ سے حکومت وجیانگر پر نامزد کیا گیا تھا سے رجوع ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ سری مل راج سے مل گیا۔ اس کے بعد یہ سارا علاقہ

مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور اسے رونق و رواج تازہ حاصل ہوا۔ (اس فتح مندی کے بعد اسلامی فوجیں ۱۵۷۷ء میسور کا علاقہ فتح کرتے ہوئے پنگنڈہ پہنچیں اور مسلمان دریائے کرشنا کے جنوبی حصہ میں آباد ہوکر ہر جگہ پھیلتے چلے گئے۔ شاید اسی زمانے میں رائیدرگ میں بھی مسلمان آئے ہوں گے۔)

نائک مذکور رن دولہ خان امیر الامراء بیجاپور کی سرا پر فوج کشی ۱۶۳۸ء کے بعد صوبہ سرا کے ناظم سے مطیع ہوکر بارہ ہزار روپئے پیشکش بلا عذر پہنچانے لگا۔ اسی دوران چیتل درگ والے اور نائک مذکور (بومل نایک) کے درمیان سر رشتۂ مناسبت وصہرات مضبوط ہوا۔ چنانچہ ان دونوں کے درمیان پسران اور دختران کی شادی ایک دیگر کے ساتھ ہوئی اور اتفاق و یکدلی کے ساتھ گذارنے لگے۔ اس طرح اس نے پچیس سال تک حکومت کی تھی کہ مسلی کونٹی نایڑ بن کستوری نایڑ جو قوم تلنگانہ سے اور تعلقہ کندرپی کا پالیگار تھا وہاں وارد ہوا۔

نایڑ نے محل مذکور کو مستحکم کیا اور راجگی اختیار کی۔ اس نے کثیر لشکر جمع کیا اور روز بروز ترقی کی اور ملک گیری کرتے ہوئے رای درگ تک پہنچ گیا اور اس پر لشکر کشی کی۔ درگ کے نایک نے ہراساں ہوکر دریافت کیا کہ آخر اس جگہ آنے کا سبب کیا ہے۔ نایڑ نے جواب دیا کہ کچھ کام کے سلسلہ میں یہاں آیا ہوں اور یہاں سے چندرگیری چلا جاؤں گا۔ یہاں دو چار دن قیام کروں گا۔ نایک مذکور نے جو عقل و دانش سے بے بہرہ تھا سمجھا کہ غالباً کارپردازان اس سے خفیہ سازش کئے ہوئے ہیں، اس شک کی بنیاد پر اس نے فتنہ کو بیدار کیا اور لشکر طلب کر کے بلا تامل اور بے دریافت سبھی کارپردازوں اور ارکان دولت پر ظلم ڈھانے لگا۔ بعضوں کو قتل کر دیا اور بعضوں کو قید کر دیا۔ بلکہ سارا نظام زیر وزبر کر دیا اس لئے اس کا نام بری بومل نایک مشہور ہوگیا۔ جب ارکان دولت نے دیکھا کہ ان کے جان و مال تلف ہو رہے ہیں تو انھیں سخت اندیشہ لاحق ہوگیا اور اپنی جان کے لئے ترسنے لگے۔ نایڑ مذکو کو جو اسی وقت کا منتظر تھا بالاتفاق خفیہ طور پر پیغام روانہ کیا کہ یہاں کا نایک پاگل ہوگیا ہے اور قتل و غارت گری خلق اللہ پر کمر بستہ ہوگیا ہے اور سب اپنی ناموس سوامی کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں اگر ریاست کی ہوس ہو تو بے خوف و خطر

چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اندر چلے آیئے۔

راجہ کے سبھی نوکر پیشہ وخوش باش اور دولت کے قدیم دولت خواہ سبھی آپ کی آمد کو مغتنم سمجھیں گے۔ نائڑ نے اس موقع کو مغتنم سمجھتے ہوئے چند ساتھیوں کے ساتھ نایک سے ملاقات کے لئے روانہ ہو گیا اور بغیر کسی مزاحمت اور ممانعت کے قلعہ پر مع ساز و سامان قبضہ کرلیا۔ نایک دیوانہ کو قید کر کے کندر پی کو روانہ کر دیا بس اسی زمانہ سے صدر راجہائے بلجیوار تلنگہ کے قبضہ میں آ گیا۔ نایک نے اس مقام کو مستقر راجگی مقرر کیا اور اپنے تابعین کو محل مذکور (کندر پی) سے بلا کر ملک رانی کرنے لگا۔ ملّنا سوامی نامی ایک اشراف قوم تلنگہ کی دختر سے شادی رچا کر اس کے نام دیوانی مقرر کر دی۔ چنانچہ وہ آئین کے ساتھ دادگستری کرنے لگا۔

اسی دوران پالیکار چیتل درگ نے اپنے نسبتی برادر یعنی بومل نایک کا انتقام لینے کے لئے آلات و حرب وضرب جمع کرنے لگا اور حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ چونکہ نایڑ مذکور جوانمرد تھا اس لئے مقابلہ کے لئے نکل آیا اور اس کی فوج کو ایک ہی شبخون میں شکست دیدی۔ اسی زمانے سے یہ قتل وخون کا بازار چلنے لگا۔ یہ سلسلہ سال بہ سال چلتا رہا۔

نایک درگیہ نے کوہ ملکالمڑو پر جو کہ رائی درگ کے تین کردہ کی دوری پر ایک وحشت ناک مقام ہے اور جہاں پر ایک قریہ چند مکانات کے ساتھ آباد تھا۔ پتھریلی حصار کھینچ کر اس پہاڑی دامن میں آباد کیا اس کے اطراف ایک دیوار بنا کر اسے مضبوط کیا اور اپنے بھائی کو چھ سات ہزار پیادوں کے ساتھ یہاں متعین کیا۔ وہ بار بار نایڑ کے ملک پر حملہ کرتا رہا اور ملک کو تباہ کرتا رہا۔

مسلی کونٹی نایڑ نے اس کی بار بار کی حملہ آوری سے تنگ آ کر ہرپن ہلی کے پالیگار بسپا نایک سے دوستی کی اور اس کی حمایت میں آسودہ ہوا۔ اس نے چھبیس (۲۶) سال حکومت کی اور ایک بیماری کے سبب فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا ونکٹ پتی اس کی جگہ متمکن ہوا۔ اس نے اپنے آبا و اجداد کے برخلاف کیشواچاری نام کے ایک برہمن کو اپنا دیوان مقرر کیا وہ خود آرام طلب اور نفس پرست تھا اس لئے عیش وعشرت بازی

میں مشغول رہنے لگا۔اسی دوران چیتل درگ والہ نے فوج کشی اور چند دیہات اور مواضعات کو غارت کر دیا۔اس نے قلعہ کی کشا کش کی کوشش کی۔نایڑ آرام طلب نے اپنے دلوائی یعنی پردھان کی سرداری میں فوج آراستہ کی اس بات کی اطلاع ہر پن ہلی کے راجہ کو دی اوراس سے مدد کا طلب گار ہوا۔

بسپا نایک ایک گراں لشکر کے ساتھ سیر وشکار کے بہانہ سے ہوچنگی درگ کی طرف روانہ ہوااور چیتل درگ سے متعلقہ دیہات بسون کوٹہ اور انجی وغیرہ پر حملہ کر کے مویشی طلب کئے اور اکثر رعایا کے مکانات خراب اور برباد کردیئے۔

جب نایک درگ کوان حالات کی اطلاع ملی تو ہم قوم دشمن سے جو کہ دلاور تھا خوفزدہ ہوکر اپنے عزم سے باز آگیا اور اپنے مقام کو لوٹ آیا۔ونکٹ پتی نایڑ مذکور اپنی جگہ آسودہ ہوگیا اور اسی تردد میں تئیس ۲۳ سال حکومت کرنے کے بعد کسی مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔

اس کا بیٹا پدّہ تمیاّ نایڑ مسند حکومت پر مقرر ہوا۔اکثر لوگ کہتے ہیں کہ نایڑ مذکور قوی جثہ تھا اور اس قدر موٹا تھا کہ دوسروں کی مدد کے بغیر پہلو بدلنا بھی مشکل تھا۔جس دن صبح دم اپنے آپ بستر سے اٹھ جاتا تھا اس دن شکرانہ کی شکر بانٹتا تھا۔اس کے کار پرداز دانا اور کار آزمودہ تھے۔اس کے دور حکومت میں کارخانوں کا بندوبست بے حد اچھا تھا۔چنانچہ لشکر جمع کرکے ملک گیری کے عزم سے نکلا۔انہوں نے راجہ کو ہاتھی پر سوار کرکے آلات حرب وضرب سے آراستہ کرکے شمال کی طرف ہریال قلعچہ پر جو کہ اس ملک کا ضمیمہ تھا قیام کیا۔یہاں سے اس نے محل موکا پر جو کہ دریائے ہگری پر واقع ہے جو تینتیس ۳۳ مواضعات پر مشتمل سرکار ادھونی سے متعلق ہے،حملہ کیا۔یہاں کے قلعدار نے قرار ومدار کے بعد قلعہ نایڑ مذکور کے ارکان دولت کی ابلہ فریبی سے متاثر ہوکر بے جنگ حوالے کر دیا۔جب اس بات کی اطلاع حاکم ادھونی کو ہوئی تو وہ جنگ پر آمادہ ہوگیا۔جب انہوں نے حاکم موصوف کی خدمت میں ایلچی کو معہ زرنذرانہ اور تحائف روانہ کئے۔ساتھ ساتھ اس محل کی سالانہ پیشکش بارہ ہزار روپئے بھی روانہ کرکے اسے رضا مند کیا۔وہاں سے ہنسور (ہنور) کی راہ ہوتے ہوئے دارالسرور کو لوٹا۔

اسی کے دور میں (۱۱۲۹ھ م ۱۷۱۷ء) بیجا پور سے شاہ امین االدین اعلیٰ کے تربیت یافتہ تین بھائی حسین مجذوب ولی کامل، ٹیپو مستان اور بابا حمید یہاں وارد ہوئے۔ حسین مجذوب یہیں مقیم ہو گئے اور ان کے دو بھائی یعنی ٹیپو مستان ارکاٹ اور بابا حمید قدس اللہ اسرارہم کنجی میں آسودہ ہیں۔ نایڑ نے حسین مجذوب کے خرق عادات اور کرامات کے سننے ،مشاہدہ کرنے اور امتحان کرنے کے بعد قصبہ ہنسور (ہنور) ان کی کفالت کے لئے دے دیا اور عالی شان مکان بھی تعمیر کروادیا۔ القصہ نایڑ مذکور حسین مذکور کا معتقد رہا۔ رائیدرگ کے مشرق کے جانب دامن کوہ میں جو گاؤں ہے وہ اسی کا بسایا ہوا ہے کیونکہ اس سے پہلے تمام راجے بالائے کوہ اقامت کیا کرتے تھے۔ چودہ سال حکومت کرنے کے بعد اسنے جہان فانی کو خیر باد کہا۔ اس کا بیٹا ونکٹ پتی نایڑ جو کہ بہت آرزوؤں، التجاؤں اور آہ وزاری اور حضرت حسین کی دعاؤں سے پیدا ہوا تھا سلطنت پر متمکن ہوا۔

اس نے عہدۂ دیوانی کندر پی نرسیا کے حوالے کی جو کہ اس دولت کا ایک رکن تھا۔ اس نے درست آئین سے حکومت کی۔ اس کے عہد میں اکثر اوقات ہر پن ہلی اور درگ والہ کے درمیان اکثر جنگ واقع ہوئی۔

نایڑ مذکور نے ہر پن ہلی والہ کی کئی بار شایان شان مدد کی۔ اسی دوران دیوان مذکور (نرسیا) نے درمیانی پہاڑی پر ایک مندر تعمیر کروایا جواب تک باقی ہے۔ مندر کے اطراف برہمنوں کے مکانات اور بازار کا راستہ ہے۔

ونکٹ پتی نایڑ چھبیس سال (۲۶) حکومت کرنے کے بعد طبعی اجل سے فوت ہوا۔ اس کو تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ لڑکوں کے نام ینکا جی۔ دوم راج گوپال نایڑ اور تیسرے کا نام تمیا نایڑ تھا۔ اور لڑکیوں میں ایک کا نام ینکا جی اما دوسری کا نام رودھراماّ۔

والد کے انتقال کے بعد ان تینوں میں نزاع پیدا ہوا۔ کار پردازوں اور دیوان کی تجویز پر کونٹی نایڑ کو مسند پر بٹھایا گیا۔ دوسرے بھائی بظاہر مطیع ہوئے لیکن دل سے بدخواہ تھے چنانچہ پانچ سال بعد اس کا

بھائی گوپال نایڑ نے رات کے وقت کٹار مار کراسے ہلاک کیا اور خود حاکم بن گیا دو سال بعد اس پر خون ناحق کا بخار چڑھا اور پاگل پن کے آثار نمایاں ہوئے اور اس کا چھوٹا بھائی تمیّا نایڑ حاکم بن گیا۔ مذکورہ دیوان (نرسیّا) چند دن کام کرنے کے بعد فوت ہوگیا۔ نایڑ مذکور نے کرشنپا نامی بلیجیوار کی لڑکی سے شادی کی وہ بے حد غریب تھا لیکن دانائی اور شرافت میں یکتائے زمانہ تھا۔ اسے دیوان مقرر کیا اور مہمات دولت کا مختار بنا دیا۔ حساب و کتاب کا سارا کاروبار ہنمنت اپا نامی شخص کے حوالے کیا گیا۔ انہیں یہ لوگ پارپتی کہتے ہیں۔ اس نے ہر کام دانائی اور پیش بندی سے انجام دیا۔

مسند نشین عیش و عشرت اور خطوط نفس کو دوست رکھنے لگا۔ دیوان عدل و انصاف اور غور و فکر سے غربا پروری کرنے لگا سارا ملک آباد خوش حال اور رعایا خوش و خرم تھی وہ چار لاکھ ہون محمد شاہی بلاقصور سرکار کو روانہ کرتا تھا۔

اسی دوران حیدر علی خان بہادر نے لشکر کشی کی اور مرارراؤ سے شایان شان پیشکش حاصل کی۔ انہوں نے کرکنات یعنی ساحل تنگ بھدرا کے علاقہ پر قبضہ کرلیا۔ جب وہ وہاں سے سری رنگا پٹن لوٹے تو معزول پاربتی نے مخفی طور پر نایڑ مذکور اور دیوان کی بے دادی کا قصہ اور ملک کی بے بندوبستی کا احوال تحریر کرتے ہوئے درخواست کی کہ اس علاقہ پر فوج کشی کی جائے۔ نواب نے اس بات کو فوز عظیم جانتے ہوئے رسالدار جہان خان اور اپنے نسبتی برادر مخدوم صاحب کو اپنی فوج کے ساتھ روانہ کیا انہوں نے قلعے اور تعلقہ پر قبضہ کرلیا۔

نایڑ مذکور (تمیّا نایڑ) کو زاق وزیق (تمام اہل خاندان) اور کرشنپا اور پاربتی مغلول فتنہ انگیز کو دارالامارات سری رنگ پٹن کو طلب کیا۔ نواب حیدر علی خان نے کرشنپا کو امور شائستہ میں جہاں دیدہ اور تجربہ کار دیکھ کر اپنے پاس وکالت کی غرض سے نوکر رکھ لیا۔ نایڑ مذکور پر ساٹھ ہزار ہون پیشکش مقرر کرکے اسے اپنے ملک پر باز مامور کرتے ہوئے واپس کردیا۔ قلعہ درگ کا چونکہ دروبست نایڑ مذکور کو منتقل ہوگیا تھا اس لئے اس نے اس کا انتظام کرتے ہوئے آسودگی حاصل کی۔ وہ مقررہ پیشکش بلا عذر و

بہانہ روانہ کرنے لگا۔اس کا وکیل مطلق (کرشنپا) اپنی دانائی کے سبب نواب کے تمام اعیان وارا کین کے تسخیر کرنے میں کامیاب ہوا۔وہ ہمیشہ نواب کے ہمرکاب رہنے لگا۔

اسی دوران واقعہ چرکولی واقع ہوا۔نواب اس مہلک جنگ سے بچ نکلے، لالہ میاں برادر نسبتی مقتول ہوئے، میر رضا علی خاں اسیر ہوگئے اور کرشنپا بھی زخمی ہوکر مرہٹوں کی قید میں رہا اور بعد ازاں مرار راؤ کی سفارش اور نایڑ مذکور کی عرض ومعروض مبلغ ادا کرنے کے بعد رہائی حاصل کی۔اس نے پھر نواب کی خدمت میں حاضر ہوکر انعامات سائشتہ سلوک لائقہ اور سر بلندی حاصل کی۔

نواب موصوف نے اس وقت کوہ گتی تسخیر کرنے کی ہمت کی۔کرشنپا نے حضور کی خدمت میں عرض کر کے فرمان وسند حاصل کی اور اپنی سپاہ کے ساتھ قلعچہ ہریال کا جو کہ مراری راؤ کا ٹھانہ تھا کا محاصرہ کرلیا اور تین ماہ کی کوشش کے بعد اسے فتح کرلیا۔

والیٔ میسور حضرت ٹیپو سلطان اور اتحادیوں (نظام حیدر آباد اور مرہٹوں) کے درمیان ۱۷۸۲ء میں جنگ ہوئی تو ٹیپو سلطان نے ادھونی کی مہم کے دوران اس نایڑ مذکور (وینکٹ پتی راج) کو یاد کیا۔وہ وکیل نادان کی تجویز پر خود بیماری کا بہانہ کرتے ہوئے حاضر نہ ہوا۔سلطان نے بڑی دلیری اور جوانمردی سے دشمن کا مقابلہ کیا اور قلعہ ادھونی اور بہادر بنڈہ وغیرہ پر فتح مندی کے نشان گاڑ کر فتح پائی اور شادیانے کے نقارے بجاتے وطن لوٹتے وقت، اگرچہ وہ بے طلب حاضر ہوا، تاہم سلطان نے اسے سزا دینے کی ٹھان لی۔کیونکہ پہلی غیر حاضری بغاوت کے مترادف تھی۔اپنے خلاف دشمن کی باقاعدہ مدد کرنے والے پالیگاروں کو شکست دی، ان میں چتل درگ، ہنچن گونڈی، الگونڈ، کنک گیری، کتور، ہنور، رائیدرگ اور شاہ نور کے پالیگار شامل تھے۔سلطان نے وینکٹ پتی راج کو اسیر کر کے ہرپن ہلی والہ کے ساتھ مع خاندان بنگلور روانہ کردیا۔اس وقت تک اس نے دس سال تک حکومت کی تھی۔سلطان نے اس کا سارا ملک اپنے آصفوں کے قبضہ میں دے دیا۔اور راجاؤں کا نام مٹادیا۔لارڈ کارنوالس بہادر کی لشکر کشی کے دوران سلطان کے حکم سے انہیں قتل کردیا گیا۔چند دن بعد درگ کے پہاڑوں پر موجود کوہسار کو سلطان

کے حکم سے توڑ دیا گیا۔

قلعہ سری رنگا پٹن کی تسخیر اور ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد جو کہ ۱۲۱۳ء م ۱۷۹۹ء میں واقع ہوئی راج گوپال نایڑ بن ینکا جی اما دختر وینکٹ پتی نایڑ جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ جو اپنے ماموں کے قتل کے وقت قلعہ سری رنگا پٹن میں تباہ حالت میں مقید تھا۔ رہائی پا کر ریاست کی ہوس میں رائی درگ شہر کو روانہ ہوا۔ یہاں پر چند ہوا خواہوں اور قدیم ملازمین کی تجویز پر جو خود خانہ نشین تھے اسے موروثی مسند پر بٹھایا گیا۔ اس نے ایک ماہ تک حکومت کی تھی کہ پالیگاروں کا یہ سارا ملک ناظم حیدر آباد کے حصہ میں آیا۔ محمد امین خان عرب اس ملک پر قبضہ کرنے کے لئے اجازت حاصل کر کے پہنچا۔ امین خان اسے اس ملک کی سند حضور سے دلانے کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ حیدر آباد لے گیا۔ اس کے بعد اس کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

سن ایک ہزار دو سو پندرہ ۱۲۱۵ھ م ۱۸۰۰ء میں اس ضلع کا سارا انتظام لشکر انگریز بہادر کی تنخواہ میں ناظم مذکور کی طرف سے مقرر رہا۔

(تذکرۃ البلاد والحکام: میر حسین علی کرمانی: اورنگ ہفتم (آٹھواں باب ص ۲۲۱۔۲۳۸)

بقول مولانا عبدالباسط ریاضی ’رائیدرگ کے پالیگار پہاڑوں پر رہائش پذیر تھے اور ترقی یافتہ تھے اعلیٰ تعلیم کے حامل تھے۔ آج بھی یہاں پرانی تہذیب و ثقافت کے آثار پائے جاتے ہیں بلکہ آثار یہ بتاتے ہیں کہ یہاں ایک یونیورسٹی قائم تھی اور دور دور سے لوگ علم حاصل کرنے آتے تھے۔ آبادی میں اضافہ کے باعث پالیگار پہاڑ سے اتر کر وادی میں آباد ہو گئے۔ اس وادی کو آج گونڈی باؤلی محلّہ کہتے ہیں۔ پھر انھوں نے ایک قلعہ تعمیر کیا جس کی فصیل اور بڑا دروازہ آج بھی موجود ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یہ لوگ قلعہ سے نکل کر آباد ہونے لگے پھر رائیدرگ ایک مستقل گاؤں بن گیا۔ اب اس کو تعلقہ ہیڈ کوارٹر بنایا گیا ہے۔‘

والد محترم کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنا روزنامچہ بعد عصر لکھا کرتے۔ جن شخصیات سے والد صاحب متاثر

تھے۔جماعتی احباب سے ان کو خاص انسیت تھی،ان کے بارے میں تاریخ اہل حدیث میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔یہاں ان کے روزنامچہ کے چند اہم اقتباسات دئے جا رہے ہیں جو ۱۹۵۵ تا ۱۹۷۸ء ان کے تذکرہ میں درج ہیں جن سے متاثر ہوکر آپ نے ان اہم واقعات کو ضبط تحریر کیا ہے جس سے آپ کی زندگی کے نشیب وفراز کا ایک خاکہ سامنے آتا ہے۔

اسی بنیاد پر آپ نے اپنے سوانحی کوائف ''تذکرہ'' ۱۲ ماہ محرم ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۶۴ء میں تحریر کیا۔اس کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ان ھٰذہٖ تذکرۃ

اس حقیر وفقیر پُر از تقصیر کی چند عبرت آموز باتیں جو اس کی حیات کی یادگار کے طور پر ۱۲ ماہ محرم ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۵ ماہ مئی ۱۹۶۴ء بوقت صبح ۴۵۔۱۰ دن میں بمقام چامراجنگر میں لائی جارہی ہیں خدا کرے کہ اس کی تکمیل بہت ہی جلد ہو جائے آمین۔برحمتک یاارحم الراحمین

بندۂ احقر کی عمر مستند طور پر سن پیدائش ۲۷/مارچ ۱۹۲۷ء ہے اور یہی مستند تاریخ محکمۂ تعلیمات میونسپل ہائی سکول چامراج نگر،گورنمنٹ آف میسور کی سروس رجسٹر میں بھی درج ہے۔مقام پیدائش رائیدرگ ضلع بلاری علاقہ مدراس (آندھرا پردیش) میں ہوئی۔

جماعت اہل حدیث کے لئے ہمارے ہنگی خاندان کا ایثار

میرے والد محترم نام نامی اسم گرامی ہنگی (یہ پیشہ کا نام ہے۔اس پیشہ میں ریشم کے کپڑے بنے جاتے تھے۔اپنے گھروں میں کرگے ہوتے جہاں دستکاران پر ریشم کے مختلف کپڑے بنتے اور انہیں مارکیٹ میں بھیج دیا جاتا) عبدالقدوس بن ہنگی چھوٹے امام صاحب رائیدرگ ہے۔نزد دُجتّی تالاب میں آبا و اجداد مقیم تھے۔جو درگاہ سید جعفر شاہ ولی کے قریب ہے۔اس ولی کا عرس آج بھی منایا جاتا

ہے۔''

اسی بنیاد پر والد صاحب کی حیات اور دینی خدمات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ جہاں ضروری سمجھا انہیں کی عبارت رکھ دی ہے اس طرح یہ سوانح کچھ ان کی کچھ میری زبانی تحریر ہوئی تا کہ مکمل حالات کا احاطہ کیا جا سکے۔

والد محترم نے اس دور میں جنم لیا جب کہ رائیدرگ اور اس کے اکناف کا ماحول انتہائی بدعتی و مشرکانہ تھا۔ اصلاح عقائد کی تحریک زوروں پر تھی اور اس تحریک کے بانی مبانی، میرے رشتہ کے دادا حضرت مولانا سید اسمٰعیل صاحب رائیدرگی مرحوم بن حضرت سید عبداللہ صاحب (سید شاہ سرمست حسین بن اکبر شاہ المعروف لمبے حضرت رحمہ اللہ ساکن شاہ نور (ہنور اس کی شاید بگڑی شکل ہے) تھے۔ مولانا عبد الوہاب جامعی مرتبہؔ 'تابندہ نقوش' میں لکھتے ہیں کہ ''مولانا سید اسماعیل اور ان کے بھائی سید عبدالعزیز صاحب اکثر اپنے خاندانی حالات بیان کرتے تھے ان کی زبانی سنا یاد ہے۔ ایک تحریری شجرہ بھی ان کے پاس تھا جس سے خاندانی حالات پر روشنی پڑتی ہے کہ آبا و اجداد دراصل شہر بیجاپور کے باشندے تھے، سلطنت عادل شاہی کے سرکاری موظفین میں سے تھے۔ زوال سلطنت کے بعد ترک وطن کر کے کچھ بلہاری کی تحصیل 'سنڈور سے متصل 'دولت آباد' آ کر بس گئے، کچھ ضلع انت پور کی تحصیل کلیان درگ کے قریب آ کر آباد ہو گئے جس کو ہنور کہا جاتا ہے۔ اس خاندان میں 'شاہِ ہنوّر' ([حضرت خواجہ سید شاہ صوفی سرمست حسینی چشتی خلیفۂ سید امین الدین اعلیٰ بیجاپوری خلفاء میں سے تھے) نام کے بزرگ تھے، غالباً سب سے پہلے انہی بزرگ نے بستی بسائی تھی جو اپنے اولین باشندے کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ بزرگ اسی گاؤں میں ہی مدفون ہیں اور ان کی درگاہ موجود ہے۔ مولانا کے آبا و اجداد اپنے جد امجد کی درگاہ کے مجاور اور سید بدیع الدین مرحوم کے مرید تھے۔'' [1] تابندہ نقوش ص ۳۰۔۳۱

مولانا آگے چل کر ص ۳۳۔۳۴ کے ذیلی عنوان 'ترک ہنور و رائیدرگ آمد' کے تحت لکھتے ہیں کہ ''سرمست حسین پیشہ سے اردو مدرس تھے۔ بیس سال کی عمر میں اردو ٹریننگ کے لئے مدراس گئے

جہاں مولانا سید عبدالقادر صاحب سے ملاقات ہوئی اور آپکی زندگی میں توحیدی تبدیلی آ گئی نام بدل دیا گیا سرمست حسین کے بدلے سید عبداللہ رکھا گیا۔آپ نے ترمل کھیڑی کے بازار میں وعظ سنا تھا اور استقامت بھی دیکھی تھی جس سے متاثر ہوکر ملاقات کی۔آپ نے شاہ اسمٰعیل دہلی کی تقویۃ الایمان عنایت کی اور پڑھنے کی ہدایت دی جس پر عمل کرنے سے عقیدہ درست ہوا بدعات وخرافات کا خاتمہ ہوا واپس اپنے وطن ہنور لوٹنے کے بعد توحید خالص واتباع سنت کی دعوت کو عام کرنے لگے۔

اہل ہنور جو کسی وقت انہیں پیار ومحبت سے ''لاڈلے مشائخ'' کے نام سے یاد کرتے تھے درپے آزار ہوگئے جس سے زندگی دوبھر ہوگئی۔ان حالات میں آپ نے سجادگی وصاحبزادگی، خاندانی وجاہت وعزت، درگاہ کی آمدنی واوقاف کی تولیت سب کو یکلخت چھوڑ کر ہنور سے ۳۵ رکلو میٹر پر واقع شہر ''رائیدرگ'' کواپنا مستقر بنالیا۔ یہاں آپ نے سرکاری ملازمت کے ساتھ تبلیغ دعوت کو جاری رکھا۔ جس سے رائیدرگ اورکوڈلگی وغیرہ میں اتباع کتاب وسنت کی روشنی عام ہونے لگی۔''

میرے پرداد ہنگی چھوٹے امام صاحب بن شیخ بڈھن اور سید سرمست حسین سگے ہم زلف تھے۔ہنگی چھوٹے امام صاحب نے کھلّم قریہ میں ہاجرہ بی کی بڑی بہن سے شادی کی تھی اور سید سرمست حسین عرف سید عبداللہ صاحب بن سید محمد اکبر حسینی نے ان کی چھوٹی بہن سے شادی کی۔سید سرمست حسین صاحب کی پہلی بیوی عائشہ بی بی کے بطن سے حضرت مولانا سید اسمٰعیل اور مولوی سید عبدالعزیز (والد مولوی ابوالکلام ندوی) پیدا ہوئے۔دوسری بیوی اجّو ماں (ہاجرہ بی ساکن کھلّم) سے پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا۔لڑکیوں کے نام،۱) عائشہ بی،۲) زہرہ بی،۳) سیدہ امانی،۴) صفورہ بی،۵) زبیدہ بی اورلڑکا مولوی شاہ عبدالرحیم مرحوم۔(مکتوب مولانا عبدالغنی سیفی مورخہ ۱ر دسمبر ۱۹۹۲ء)

والد محترم لکھتے ہیں کہ''ان دونوں ہم زلفوں میں بہترین تعلقات موحدانہ تھے اور مولانا سید اسمٰعیل صاحب بھی خالو صاحب خالو صاحب (ہنگی چھوٹے امام صاحب کو) کہہ کر بہت تعظیم کرتے والد کی موجودگی میں بھی اور مرحوم ہونے پر بھی۔''(والد صاحب کا مکتوب مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۹۲ء)

والد محترم میرے ایک مکتوب کے جواب میں اپنے خاندانی حالات یوں بیان کئے ہیں۔ ''شیخ بڈھن صاحب کے آباواجداد بھی ایک ولی کے خاندان سے متعلق تھے، نام نامی سید جعفر شاہ ولی، وو جتیؔ تالاب جوگوندی باؤلی جاتے دائیں جانب پڑتا ہے (شاید اب خشک ہوگیا ہو) ان کے اباواجداد کا پیدائشی مقام تھا۔ پہلے بدعات وخرافات میں تھے، ان کا عقیدہ اولیاء سے تھا۔ بعد میں یہ قلعی گر محلّہ منتقل ہوگئے اب یہاں سید جعفر شاہ کی درگاہ ہے۔ مذکورہ ولیؒ بزرگوار ایک پہاڑی وادی ہی میں ذکر کیا کرتے تھے۔ شاید چھوٹے امام صاحب و خاندان کا تعلق و عقیدہ رہا ہوگا ،جن کا عرس آج بھی لوگ مناتے ہیں۔'' والد صاحب لکھتے ہیں کہ'' جب وہ جماعت مولوی وحفاظ میں رایئدرگ میں زیر تعلیم تھے تو ایک بزرگ مٹیالے رنگ کے کپڑے پہنے رہتے (یہ ہنور والوں کا خاص پیرانہ ومریدانہ لباس تھا) گھر آتے قیام وطعام رہتا۔ پردادا بزرگوار (بڈھن صاحب) بڑی عقیدت سے خدمت کیا کرتے اوران کا برتا ہوا پانی تبرکاً استعمال کرتے۔ ہم کو بھی دیتے مگر ہم لوگ مولانا اسمٰعیل صاحب مرحوم کی توحید وتبلیغ کی وجہ سے ان تمام چیزوں سے محفوظ رہتے۔ فللہ الحمد۔ میرے پاس غالباً ان حضرات کا جو ہنور کے ہیں یا حضرت جعفر شاہ رایئدرگ کے ہیں ایک شجرہ خاندانی تھا مگر نہ جانے کہاں رہ گیا ایسے حضرات سے جو اس طرح اولیاء سے متعلق تھے پیش آتے تھے۔'' (مکتوب مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۹۲ء)

ہنگی نبی صاحب اور ہنگی چھوٹے امام صاحب سمدھی تھے۔ ہنگی نبی صاحب کی بڑی صاحبزادی زلیخا بی بی سے عبدالقدوس صاحب بن ہنگی چھوٹے امام صاحب کے فرزند اکبر سے شادی ہوئی جن سے صرف ایک اولاد نرینہ محمد عبداللہ صاحب (بڈھن ان کے پردادا کے نام پر رکھا گیا نام) ہوئی۔ نبی صاحب کی دوسری صاحبزادی زینب بی بی کو فخر الدین صاحب سے بیاہا گیا جن سے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھے۔ جوانی میں ہی انتقال کر گئے، جن میں مولانا عبدالغنی صاحب سیفیؔ ایک ہیں۔ اس طرح مولوی محمد عبداللہ صاحب اور مولوی عبدالغنی صاحب سیفیؔ خالہ زاد بھائی ہوئے۔

مولانا عبدالغنی سیفی عمری:۔

آپ کی ولادت، مشہور علمی مقام رائیدرگ میں ۱۹۲۴ء کو ہوئی۔ والدہ زینب بی بی نے آپ کو عالم دین بنانے کا ارادہ کیا اور مولانا سید اسمٰعیل صاحب رائیدرگی کے مدرسہ میں داخل کرایا جہاں آپ نے مولانا حافظ عبدالرزاق صاحب رائیدرگی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا سید اسمٰعیل صاحب رائیدرگی نے بھی آپ کی تعلیم وتربیت میں خصوصی دلچسپی لی، اپنے فرزند مولانا سید عباس حامی عمری کے ساتھ جامعہ دارالسلام عمرآباد روانہ کیا۔ جہاں آپ نے درس نظامیہ ۱۹۴۵ء میں مکمل کیا پھر وطن مالوف لوٹ آئے۔ مولانا سید اسمٰعیل صاحب رائیدرگی نے آپ کو مدرسہ میں بحیثیت مدرس، ملازم رکھ لیا۔ اس دن سے لے کر عمر کی آخری سانسوں تک جامعہ محمدیہ سے وابستہ رہے اور اپنی اولاد کو بھی جامعہ کی خدمت میں لگا دیا۔

مولانا سیفی صاحب اپنی ساری عمر درس وتدریس، علم اور اہل علم اور کتاب وسنت کی خدمت میں گذار دیا تقریباً ۵۵ سال تک جامعہ میں درس وتدریس اور دعوت وارشاد، انتظامی امور اور فتویٰ نویسی پر فائز رہے چالیس سال تک شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے ۱۵ سال تک جامعہ کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہنے کے بعد ۱۹۸۶ء میں حسن وظیفہ پر سبکدوش ہو گئے۔ لیکن ارباب جامعہ کی درخواست پر ۲۰۰۵ء تک حدیث شریف بالخصوص صحیح بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔

مولانا کردار کے دھنی تھے۔ آج تک کوئی شخص یہ گواہی نہیں دے سکا کہ میں نے کوئی اخلاقی خرابی دیکھی ہے۔ آپ خود نمازوں کے پابند اور تہجد گذار تھے۔ سردی ہو یا گرمی گھر سے تہجد پڑھ کر نکلتے وقت ملتا تو جامعہ تشریف لے جاتے اور ہر بچے کے بستر کے پاس عصا سے ٹک ٹک کی آواز کرتے اور نہایت شفقت سے بچوں کو نماز کے لئے جگا دیا کرتے آپ کی آواز سن کر طلباء وفوراً جاگ جاتے اور مسجد روانہ ہو جاتے۔ اکثر نماز صبح کی امامت خود فرماتے۔ پھر یومیہ درس کا اہتمام کیا کرتے تھے جو چالیس سال

سے زیادہ عرصے تک جاری رہا۔اس طرح آپ نے سارے قرآن مجید کی تفسیر کا دورہ دومرتبہ جامع مسجد محمد یہ میں کیا تیسرا دورہ نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے مکمل نہیں کر سکے۔دورۂ تفسیر کے اختتام پر اپنے گھر پر علماء اور مصلیان مسجد کی ضیافت کا اہتمام کیا تھا جس میں تقریباً تین سو لوگوں کو عشائیہ پر مدعو کیا تھا۔

مولانا میں دعوت وتبلیغ کا بے پناہ فطری جذبہ تھا،اللہ نے گھن گرج آواز دی تھی۔آپ نے اس کا بھر پور استعمال بھی کیا۔جمعہ کا خطبہ اور عیدین خطبہء مسنونہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا ارشاد فرماتے اور سنت کے مطابق ایک یا دو رکوع سورۂ ق کی لازمی تلاوت فرماتے اس کا نہایت ہی اہتمام فرماتے۔عیدین کا خطبہ آپ کے ذمہ رہتا،عیدالفطر کے موقعہ پر آپ کی غیر حاضری میں آپ کے شاگرد مولانا عبدالرحیم عمری مرحوم یا مولانا عبدالباسط ریاضی پڑھاتے۔

مولانا عبدالباسط ریاضی کی شخصیت مولانا سیفی کے شاگردوں میں نمایاں ہے۔جامعہ سے فراغت کے بعد جامعہ ریاض العلوم دہلی سے فراغت حاصل کی تقریباً چالیس سال تک جامعہ میں مدرس رہے،ترقی کرتے کرتے جامعہ کے ناظم اور شیخ الحدیث اور پرنسپل مقرر ہوئے۔صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش کے امیر رہے،اپنے دور میں جماعت کو مضبوط کیا۔جامعہ سے حسن وظیفہ پر سبکدوش ہونے کے بعد مختلف دینی مشاغل،اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں۔ان کے مضامین جریدوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

جامعہ محمدیہ کی سرکاری ملازت سے سبک دوشی کے بعد احباب جماعت نے مولانا سیفیؔ کی خدمت میں مسجد جامع محمدیہ کی تولیت کا عہدہ پیش کیا جسے آپ نے اللہ کی رضا کے لئے قبول کرلیا اور اپنے دور تولیت میں ماشاءاللہ مسجد کی اس قدر خدمت کی کسی بھی دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔مسجد جامعہ محمدیہ جامعہ سے ملحق ہے۔اس کا ایک مغربی دروازہ تھا۔مشرق میں کچھ اجڑے گھر تھے۔جنہیں حاصل کرنے کے لئے مولانا سید اسمعیل صاحب نے اپنے دورحیات میں بڑی کوشش کی،اوراس کام کے لئے خلیفہ خواجہ پیراں صاحب کواس کام پر لگایا انہوں نے تاحین حیات کوشش کی لیکن کامیابی حاصل نہ ہوئی۔پھر

جب آپ متولی بنے تو یہ ذمہ داری آپ کے کندھوں پر پڑی، آپ نے مالکان مکان سے بات چیت کی انہوں نے انہوں جان بوجھ کر بازار کی قیمت سے کئی گنا زیادہ بتلائی، آپ نے توکلت علی اللہ کہہ کر بیعانہ ایک لاکھ روپیہ دے دیا۔ پھر ادھر ادھر خطوط لکھے اللہ نے آپ کی لاج رکھ لی آپ کے شاگرد مولانا محمد انور محمد قاسم سلفی مقیم کویت کے ذریعہ یہ کام تکمیل کو پہنچا جس کی تفصیل نقوش حیات میں ۲۷۔۲۸ میں درج ہے۔ مسجد کا مشرقی دروازہ اور مسجد کی آمدنی کے لئے کچھ دکانیں بنائیں، مسجد اتنی وسیع وعریض کردی کہ تنگ دامنی کا شکوہ جاتا رہا۔ مولائے کریم اس عمل کو قبول کرے اور آپ کے لئے جنت میں بہترین وسیع وعریض محل عطا کرے۔ آمین

جامعہ سے سبکدوشی کے بعد کبرسنی کے باعث ضعف بڑھا، گھر سے باہر نکلنا بہت کم ہو گیا تو اسّی سال کی عمر میں مطالعہ اور تصنیف وتالیف کو اپنا جلیس بنالیا۔ مطالعہ تو ہمیشہ رہتا۔ جامعہ کی لائبریری کے آپ انچارج تھے۔ تقریباً وہاں کی ہر کتاب آپ کی نظر سے گذر چکی تھی۔ اسی مطالعہ اور تصنیف وتالیف کی مدد سے آپ نے عوام الناس کے استفادے کے لئے کئی منفرد کتابیں اور کتابچے لکھے۔ ۱) فضائل عشرۂ ذی الحجہ اور مسائل قربانی۔ ۲) حج وعمرے کا مسنون طریقہ ۳) سات مہلک جرائم ۴) اصحاب صفہ ۵) سیرت سیدنا حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام ۶) ادعیہ ماثورہ ۷) بدرو اصحاب بدر ۹) فتاویٰ محمدیہ ۱۰) سبل السلام شرح بلوغ المرام کا اردو ترجمہ۔ یہ ساری کتابیں عام فہم انداز میں لکھی گئی ہیں تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوسکیں۔ فتاویٰ محمدیہ میں سینکڑوں فتوں کو جمع کیا گیا ہے جو آپ نے مختلف مقامات سے آئے ہوئے استفتاء کے جواب میں لکھے تھے۔

انسان کی زندگی میں نشیب وفراز عام بات ہے جس سے ہر ایک کو گذرنا پڑتا ہے۔ مولانا کو بھی اس دور سے گذرنا پڑا۔ بچپن میں یتیمی دیکھی، بیٹیوں میں چھوٹی بیٹی سلمیٰ کا پیروں سے معذور ہونا، بڑی بیٹی بدرالنساء کا اچانک انتقال، پھر ان کے شوہر کا انتقال، چھوٹی بیٹی اسماء کا انتقال، ۲۰۰۵ء اکتوبر میں گھر میں کسی کتاب کی تلاش میں کرسی پر چڑھے تھے کہ اچانک گر پڑے جس سے بائیں بازو کی ہڈی ترخ گئی۔

بنگلور آکر جین ہاسپٹل میں علاج کروایا آپریشن نہایت کامیاب رہا۔ابھی ٹھیک سے چل پھر نہیں پائے تھے کہ رفیقہ حیات فاطمہ بی ،نماز روزے کی پابند، مساکین وغریوں کی ہمدرد، جب بھی فرصت ملی قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول، ہنس مکھ، غمگسار، شاکر وصابر، مہمان نواز، کثرت اولاد کے باوجود زندگی کی تنگی وترشی کا گلہ نہیں کیا، جو ملا وہ کھالیا اور جو مہیا ہوا پہن لیا، کبھی اپنی خواہشات کے پورا ہونے پر اصرار نہیں کیا۔ساٹھ سال تک زندگی کے ہر نشیب وفراز کی ساتھی مختصر سی علالت کے بعد ۶ ردسمبر ۲۰۰۵ء کو رحلت کرگئیں، اس وقت حج کے فریضہ کے لئے مکہ میں تھا کہ یہ خبر موصول ہوئی تھی، حرم مکہ میں آپ کی دعائے مغفرت کی گئی۔عمر کے آخری حصہ میں آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ان دنوں ملاقات پر ہر وقت آپ کے زبان پر حسن خاتمہ کی دعا رہتی۔۱۴ فروری ۲۰۰۹ء صبح پانچ بجے برادرم عبدالخالق کا فون موصول ہوا کہ مولانا اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔کالج کی مصروفیت کی بنا بروقت نکل نہیں سکا دوسرے دن رائیدرگ جانا ہوا اور متعلقین سے تعزیت کی۔برادرم عبدالباری کی زبانی سے یہ سن کر دل کو اطمینان حاصل ہوا کہ ’’بوقت تہجد اپنے چھوٹے فرزند عبدالماجد سے زمزم پلانے کو کہا۔زمزم پینے کے بعد اسی کے زانو پر سر رکھا پھر آپ کی زبان پر شہادتین کے کلمات جاری ہوئے جس کی وہ ہمیشہ آرزو اور دعا کرتے تھے اللہ پاک نے اس کو قبول فرمایا اور اس کے ساتھ ہی انتقال کر گئے۔آپ کے جنازے میں عوام وخواص کا ایک جم غفیر تھا۔علماء طلباء اور ہر جگہ ماضی قریب میں رائیدرگ کے کسی جنازے میں دیکھنے کا اتفاق نہیں آیا‘‘۔مولانا کا خاص کر میرے ساتھ بہت قلبی لگاؤ تھا۔جب بھی رائیدرگ جانے کی اطلاع دیتا تو بڑے خوش ہوتے۔جب تک گھر پہنچ کر ملاقات نہ کرتا چین سے نہیں بیٹھتے تھے۔بہت خوش ہوتے۔مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے ساتھ میں تصنیف وتالیفات کا ذکر سن کر خوش ہوتے میری ہر ایک تصنیف آپ تک پہنچتی تو انتہائی جامع الفاظ میں پوری تصنیف کا تبصرہ کیا کرتے۔اور ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے رہتے۔انتقال سے ایک یا دو دن قبل صبح کے وقت خواب میں آپکو دیکھا تھا، جوانی میں جو حلیہ تھا بالکل وہی، مدرسہ محمدیہ کے سامنے کا راستے جو مسجد سے آکر ملتا ہے وہاں

میں کھڑا ہوں اور آپ بلاری روڈ سے آ رہے ہیں۔ مجھ سے دریافت کیا کہ بڑے مولوی صاحب کا گھر کہاں ہے۔تو میں نے اس طرف اشارہ کیا تھا جہاں مولوی سید اسمعیل صاحب کا گھر ہے۔ پھر آپ ادھر چلے گئے۔شاید آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ اب میں یہاں سے رخصت ہونے والا ہوں۔

سیفی خاندان

ہنگی نبی صاحب کی دوسری بیٹی زینب بی کو فخر الدین صاحب سے بیاہا گیا، پہلی بیٹی عبد القدوس صاحب کی زوجہ زلیخابی جن کا کم عمری میں ایک بچہ کی ولادت کے بعد انتقال ہو گیا۔اس طرح فخر الدین صاحب اور عبدالقدوس صاحب ہم زلف بنے۔

دوسری بیٹی زینب بی کو فخر الدین صاحب سے بیاہے جانے کے بعد ان کی چار اولاد ہوئیں، تین بیٹے ۱) عبدالمجید، عبدالغنی سیفیؔ، عبدالقدوس اور ایک بیٹی خیر النساء

عبدالغنی سیفیؔ، عمریؔ: (آمد: ۱۹۲۴ء، رخصت: ۱۴رفروری ۲۰۰۹) کا بیاہ فاطمہ بی (متوفی پانچ دسمبر ۲۰۰۵) سے ہو۔ان کے ۴ بیٹے ۱) عبدالباری ۲) عبدالخالق ۳) عبدالمالک ۴) عبدالباسط اور ۵) عبد الماجد اور ۴ بیٹیاں ۱) بدرالنساء ۲) عالیہ ۳) سلمٰی اور ۴) اسماء

عبدالباری: بی۔اے، بی ایڈ، سابق ہیڈ ماسٹر محمدیہ ہائی سکول کی شادی بلاری کے سعیدہ بنت موسیٰ صاحب مرحوم پولس انسپکٹر سے ہوئی۔رائیدرگ میں مقیم ہیں۔وظیفہ یابی کے بعد میاں بیوی نے فریضۂ حج ادا کیا۔ان کے ۴ بیٹے اور ۲ بیٹیاں ہیں

۱) عبدالکبیر، سہیل سیفیؔ عمری مولوی و حافظ ہیں۔حیدر آباد میں مقیم ہیں ان کے دو بچے ہیں ایک بیٹی بتول اور ایک بیٹا سعید

۲) عبدالخبیر، خالد سیفیؔ کمپیوٹر انجینیر : خود کا کمپیوٹر انسٹیوٹ ہے۔رائیدرگ میں مقیم ہیں ان کے دو بیٹیاں ہیں۔ نائلہ اور ناعمہ

۳) عبدالقادر اسعد سیفی: کمپیوٹر انجینیر، پہلے بھائی خالد کے ساتھ انسٹی ٹیوٹ چلا رہے تھے، ہندی میں گریجیوٹ ہیں۔ ہندی ٹیچر کی ملازمت کوپل میں ہے۔بہن اسماء کی دختر جویریہ حسنیٰ سے بیاہ ہوا۔ایک بیٹا ریان ہے۔

۴) عبدالعلیم جنید سیفی، بی۔ٹیک (سی،ای،سی): کمپیوٹر انجینیر ہیں۔یونی نار ٹیلی فون کمپنی میں ملازم ہیں۔

۵) بیٹی عائشہ حمیراء زوجہ خلیل الرحمٰن تاجر مقیم ہریور، وانی ولاس ساگر کا ماری کنوی قریہ۔ان کی ایک بیٹی ندا رحمت اور بیٹے عبدالمقیت عباد، سید عبدالکریم ہیں۔

٦) دوسری بیٹی زینب نوریہ: فروری ۲۰۱۳ء رائیدرگ میں عبدالوہاب مسعود سے بیاہا گیا۔ پوسٹ گراجیویٹ ہے۔جونیر کالج میں لکچرر ہیں۔

۲۔ دوسرے فرزند عبدالخالق سعیدہ بھابھی کی حقیقی بہن میمونہ بی کی شادی سے ہوئی۔ مدرسہ محمدیہ سے وابستہ سکول ٹیچر کی ملازمت سے حال ہی میں وظیفہ پر سبکدوش ہوئے ہیں۔دسمبر ۲۰۰۷ء میں میاں بیوی نے فریضہ حج ادا کیا۔رائیدرگ میں ہی مقیم ہیں۔

۳) عبدالمالک سیفی، عمری، ایم۔اے،: بنگلور میں عارفہ بنت عبدالسلام صاحب کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ جامعہ دارالسلام عمر آباد (ٹمل ناڈو) میں مدرس ہیں۔ دومرتبہ فریضہ حج ادا کیا ہے۔ان کے دو بیٹے ۱) مولوی حافظ محمد سیفی عمری ۲) اسامہ سیفی

۴) ڈاکٹر عبدالباسط (بی یو یم یس) رائیدرگ ہی میں پراکٹیس چل رہی ہے۔رائیدرگ میں ہی انکی شادی خالہ زاد بہن صبیحہ سے ہوئی۔ایمن صرف ایک بیٹی ہے۔زیر تعلیم ہے۔۲۰۱۳ میں پوار کنبہ فریضۂ حج ادا کیا۔

۵) عبدالماجد: کمپیوٹر کے گراجیوٹ ہیں، ہاسپیٹ کی گیس کمپنی ٹراکس ائیر میں ملازم ہیں ان کی شادی بلاری میں ممتاز بنت عبدالکریم سے ہوئی۔ان کی ایک بیٹی سعدیہ مصباح اور ایک بیٹا طاہر عبداللہ

ہے۔

بیٹیاں:

۱) بدرالنساء بیگم مرحومہ زوجہ سید سلیمان مرحوم کوڈلگی۔ان کی تین بیٹیاں ۱) میمونہ: اسکی تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے ۔۲) شاہدہ: تین لڑکیاں ہیں ۔۳) بلقیس: دولڑکیاں اور ایک لڑکا۔دو بیٹے ۱) مولوی عطاء الرحمٰن عمری گدگ میں ہیں ان کے ایک بیٹا عبدالحسیب، بیٹی بدرالنساء ہے ۔۲) خلیل الرحمٰن انجینیر ہیں ۔سعودی عرب کی ملازمت سے واپس آکر شادی کے بعد جندال فیکٹری تورنگل میں انجینیر ہیں۔

۲) عالیہ بیگم: زوجہ سید رحمت اللہ مرحوم (متوفی 2010) مائنس کنٹراکٹر مقیم ہاسپیٹ ۔۲۰۰۷ میں میاں بیوی نے فریضۂ حج ادا کیا۔ان کے دو بیٹے ہیں ۱) سید محمد اقبال انجینیر :وانی ولاس پور (ماری کنوی) ہری یور تعلق کے فضل الرحمٰن کی بیٹی امرین تاج سے شادی ہوئی ۲) سید محمد ارشد انجینیر

۳) اسماء بیگم مرحومہ زوجہ سید محمد زکریا ہیڈ ماسٹر، پھول بن انسٹی ٹیوٹ ہاسپیٹ ۔ان کی ایک بیٹی جویریہ حسنٰی اور بیٹا سید محمد یحیٰی۔

۴) سلمٰی بیگم: بچپن میں ہی عارضہ میں مبتلا ہونے کے باعث معذور ہے۔

(مولانا عبدالغنی صاحب سیفی رحمہ اللہ کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے ''نقوش حیات'' مرتبہ محمد انور محمد قاسم سلفی مقیم کویت)

سید عبداللہ صاحب کا توحیدی مشن:

رائیدرگ کی اکثر آبادی ہندو تھی مصلحین، مبلغین واولیاء کی دعوت پر کچھ لوگ مسلمان ہوگئے۔ان مسلمانوں کے دین پر تصوف غالب رہا جس کی بدولت ان میں شرک و بدعت کا عام رواج ہوگیا۔ہنور کے خانوادۂ سید وسادات سید شاہ سرمست حسین عرف سید عبداللہ صاحب اپنے گاؤں سے ہجرت فرما کر

رائیدرگ کو اپنا مسکن بنالیا۔اسی گاؤں میں بابا فخر الدین ایک شاعر گذرے ہیں جو قاسم تخلص کرتے تھے ان کا موحدانہ کلام ملتا ہے۔

اردو ٹیچر ٹریننگ کا امتحان لکھنے کے لئے مدراس تشریف لے گئے وہاں ان کی ملاقات مولانا سید قادر باشاہ سے ہوئی جو داعی الی اللہ حضرت مولانا سید محمد علی رام پوری کے خلیفہ تھے اوران کو مجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور نے اصلاح عقائد کے لئے سرزمین دکن کی طرف روانہ کیا تھا قادر باشاہ صاحب بھی دعوت الی اللہ میں اپنے استاذ محترم کی طرح بے شمار صعوبتیں برداشت کیں لیکن ان سب کے باوجود اپنے خون دل سے توحید کا چراغ جلاتے رہے۔سید عبداللہ صاحب جوان کے شاگردوں میں سے ایک تھے موحد بن کر رائیدرگ لوٹ آئے۔مدراس سے واپسی کے بعد انہوں نے توحید کا علم بلند کیا تو ان کو اوران کے فرزند مولانا سید اسمٰعیلؒ ،اوران کے رفقاء کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مارنے پر تیار ہو جاتے۔والد صاحب کا بیان ہے کہ ''جب وہ ابھی جماعت حفاظ میں تھے تو انہوں نے دیکھا تھا کہ بڑے جوشیلے نو جوان تھے اور توحید کے مشن کو خوب آگے بڑھایا۔رائیدرگ میں بھی انکے ساتھ بڑا ناروا سلوک کیا جاتا مگر اللہ کا یہ بندہ ان ساری صعوبتوں کو برداشت کرجاتا۔''(مکتوب مورخہ ۱۷؍نومبر۹۲ء)

کیونکہ یہ جاہل مسلمان دین اسلام پنجے ،جھنڈے،عرس، فاتحہ درود، بھانڈ، پیری مریدی کو سمجھتے تھے۔محرم بڑے زوروشور سے منایا جاتا تھا۔اب پنجے جھنڈوں پر ہندوؤں کا غلبہ ہوتا جارہا ہے۔مجاور اور پنجے اٹھانے والے جاہل مسلمان ہیں اور ہندو عید مناتے ہیں۔

والد صاحب لکھتے ہیں کہ''رائیدرگ کے مشرکانہ ماحول میں اپنے توحیدی علم کا بیڑا اٹھایا تو خدا ہی کی تائید ان کی شامل حال ہوتی ہر وہ دورِ جہالت میں جو کبھی مکہ کی سرزمین نے دیکھا تھا سب کچھ ہوا، ماروں کی بوچھاڑ، گوبروں کا استقبال ، گالیوں کی بدتمیزی ،کوئی ایسی سنت نہ تھی جس کو رائیدرگ کے مخصوص بدعتیوں خصوصاً ہلکلی محلّہ، آتمکور محلّہ والوں نے نہ کیا ہو۔

"آپ نے اپنے فرزند کو عالم دین بنانے کی ٹھانی اور انہیں پہلے شمس العلماء حضرت مولانا عمر صاحب کرنولی (والد گرامی ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم) کی خدمت عالیہ مدرسۂ شمسیہ کرنول میں بھیجا، پھر مولانا فقیر اللہ پنجابی ثم مدراسی (تلمیذ رشید حضرت شیخ الکل فی الکل سید نذیر محدّث دہلوی کی خدمت اقدس میں پر نام بٹ روانہ کیا اور پھر وہاں سے خاندان غزنویہ کا فیض حاصل کرنے کے لئے مدرسۂ غزنویہ امرتسر روانہ کیا جہاں خصوصاً حضرت العلام مولانا عبدالواحد غزنویؒ سے تعلیم پائی اور سند فراغت ۱۹۲۳ء میں حاصل کی ۔رائیدرگ لوٹ آئے اور توحید کے پرچار میں اپنے والد کے ساتھ جٹ گئے"۔
(بحوالہ نقوش حیات از محمد انور محمد قاسم سلفی ص ۱۴)

ان میں توحید سے سرشار ہونے والوں میں چند ہستیاں تھیں جن کو مشیت ازل نے **قلعی گر محلّہ** سے محترم خلیفہ ہنور صاحب متولی ہنگی محمد عمر صاحب، ہنگی چھوٹے امام صاحب، قلعی گر عبدالسلام، محمد احمد، محصول (کولے) عبدالعزیز صاحب قابل ذکر ہیں جو اپنے زمانے کے قابل ذکر موحدین میں سے تھے۔**گونڈی باؤلی** میں قاضی خاندان با موحد انسان گذرے ہیں جن میں قاضی عبدالستار، عبدالرحمٰن بیڑی فیکٹری، وکیل محمد غوث، عبدالجبار ثاحب، عبدالسلام صاحب، وہنور صاحب، وقلعی گر عبدالکریم صاحب، عبدالمجید، عبدالسلام و پالتو رعلی صاحب قابل ذکر ہیں آپ حضرات نے بھی مولانا کا اس محلّہ سے کافی ساتھ رہا اور اپنی مسجد الگ بنوائی ۔**محلّہ باہر پیٹ** یہاں بھی اس ناموس توحید کے محافظ خصوصاً نانا صدیق حسین صاحب و اسمٰعیل، عبداللہ، سید عبدالکریم، سنار عبدالکریم صاحب و حافظ عبدالقادر مرحوم قابل ذکر ہیں۔جنھوں نے اپنے آپ کو تحریک اہل حدیث ہی کے لئے وقف کر دیا تھا اور اس میں اکثر تا حین حیات دادا سید سرمست حسین شاہ کا ساتھ دیا، جو بحالت پیری میں بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے۔

محترم نانا صدیق حسین صاحب خطیب محلّہ باہر پیٹ، آپ حضرت نورالدین صاحب مرحوم جن کی قبر صحن مسجد گونڈی باؤلی میں ہے استاد محترم کے شاگرد ہیں جن سے کہ کلام پاک و توحیدی باتیں حاصل کیں تا حین حیات آپ نے مسجد باہر پیٹ کی خدمت امامت و خطابت للہ انجام دیں میرے سوتیلے

والدہ کے والد مرحوم ہیں۔ بڑے ہی ولی صفت انسان گذرے ہیں، ہر وقت تلاوتِ کلام پاک و درود و وظائف زبان پر تا حین حیات رہے تھے خدا غریق رحمت کرے۔ آمین‘‘

مدرسہ محمد یہ کی ابتدائی تاریخ:

ہنڈیکار محلّہ میں بھی بڑے جوشیلے توحید حضرات پیدا ہوئے جو قریب ہکلی محلّہ کے قریب تھے جتنا ہکلی محلے والے بدعت و شرک میں سرشار تھے اتنا ہی یہ اہل محلّہ شراب توحید میں سرمست اور سرشار تھے خصوصاً ہنڈیکار امام صاحب، آدم صاحب، رسول صاحب، سید علی صاحب اور ان کے صاجبزادگان، عبدالصمد و مولوی عبدالکریم، کنٹراکٹر عبدالغفور، عبدالستار، عبدالکریم، کنٹراکٹر و سنار محمد ابراہیم صاحب و حکیم محمد اعظم کڈپوی قابل ذکر ہیں۔ آپ حضرات ہی کا ایثار تھا، جو سب سے پہلے مدرسہ محمدیہ کا بورڈ آویزاں ہوا مدرسہ صحیح معنی میں اس محلّہ میں وجود پذیر ہوا۔

مدرسہ وانجمن محمدیہ:

مولانا سید اسمعیل صاحب نے خیال کیا کہ لوگوں میں ہٹ دھرمی اور ضد جہالت کی وجہ سے ہے چنانچہ ماہ ربیع الاول ۱۹۲۶ء میں میلاد کی نسبت سے حضرت مولانا نے اپنے تمام معتقدین کو ساتھ لے کر اس کا پہلا سنگ بنیاد قلی گر محلّہ سنار عبدالوہاب صاحب کے چبوترے پر اجلاس کی شکل میں رکھا جس میں حضرت مولانا کی تقریر و وکیل محمد غوث صاحب کی تحریک و محصول عبدالعزیز صاحب ماسٹر کی تلگو تقریر سے اس کی بنیاد پڑی۔ دوسرے ہی دن سے مدرسہ عمل میں آیا۔

اغراض و مقاصد:۔

۱) کتاب اللہ و سنت رسولؐ کو عام کرنا

۲) عقائد صحیحہ کی اشاعت بدعات و خرافات کو مٹانے کی کوشش کرنا

۳) دور دراز دیہاتوں میں عوام الناس تک اسلام کی آواز پہنچانا

۴)عقیدہ ختم نبوت ومقام نبوت کی حقیقت واہمیت کواجاگر کرنا

۵)قوم کے یتیم ولاوارث بچوں کی تعلیم وتربیت کاانتظام کرنا

٦)محدثین وائمہ ومجتہدین کوکوشش کوسراہتے ہوئے انکے ارشادات صحیحہ سے استفادہ کرنا۔

تاسیس مدرسہ:ہنگی متولی محمد عمر صاحب کے چبوترہ پر:

مدرسہ کی ابتداءکسی عمارت کے بغیر متولی محمد عمر صاحب کے چبوترہ (بمشابہت چبوترہ ٔاصحاب صفہ) اس سنت کوجاری کرنے کے لئے شروع کیا گیااوراس کے استاداول خلیفہ ٔ ہنورصاحب قلعی گرمحلہ ونمیار محمد علی صاحب ،خسر حضرت مولانا سیداسمٰعیل صاحب شروع ہوا جس کے ابتدائی شاگردوں میں بندہ (میرے والدمحترم محمد عبداللہ صاحب)وبرادرمحترم مولانا عبدالغنی سیفی ،مولوی عبدالغنی ابن ہنورصاحب، وہنگی محمد اسمٰعیل وہکلی عبدالرحمٰن ،عبدالغفور،امیرحمزہ وسنارعبداللہ عبدالقیوم وغیرھم اور چند بہنیں (چچاسیفی صاحب نے ایک خالہ زادبہن سارہ کاذکر کیا ہے)بھی قابل ذکرتھیں جن کی ابتدائی تعلیم یسرنا القرآن سےشروع ہوئی۔

مدرسہ محمدیہ محلّہ ہنڈیکار: مولانا کی کوشش سے یہ مدرسہ بطورکرایہ یا،للہ مستقل ہونے تک مدرسہ یہاں چبوترہ سے منتقل ہوااورپھربطورکرایہ،اب موجودہ عمارت (جہاں مدرسۂ قدیم جوشہر کے بیچ واقع ہے ،جامعہ کی عمارت آثار قدیمہ میں شمار ہے ۔اب یہ بنات کے لئے مختص ہے جس سے ملحق مسجد ہے)مستقل طورپرجامعہ کے نام سے بنا۔اس مدرسہ میں بھی مختلف اساتذہ کرام کی آمدورفت رہتی جن میں ماسٹرعبدالستارصاحب ادھونی ودیگراساتذہ کے نام قابل ذکراستادمحترم حضرت حافظ عبدالرزاق صاحب جوازابتداءتاآخرعمر یہاں ناظرہ قرآن وسفارت کی خدمات انجام دیتے رہے۔اس مدرسہ میں ہی ماہ رمضان المبارک میں تفسیرقرآن کا سلسلہ رہتاواجلاس عام ومواعظ حسنہ کابھی انتظام ہوتا۔

ہنگی متولی محمد عمر صاحب کی مدرسہ ٔہذا سے انسیت اور خدمات مدرسہ: آپ مدرسۂ محمدیہ عربیہ رائیدرگ کے ان بانی ومبانی میں سے ایک ہیں جن پرکامل اعتماد حضرت مولانا سیداسمٰعیل صاحب ناظم

جامعہ کو تھا مینیجر آپ تھے، نگراں آپ تھے خازن آپ تھے وغیرہ۔ آخر میں بعض ناگزیر حالات کی وجہ کچھ ناقابل ذکر باتیں حضرت مولانا اور آپ میں ہوگئیں تھیں جس کی وجہ سے آپ رائیدرگ ہی کو خیر باد کہہ کر آپ کے صاحبزادے محترم مولوی ہنگی محمد اسمٰعیل صاحب خطیب مسجد بجواڑہ (آندھر پردیش) کے پاس مقیم رہ گئے۔

مولوی ہنگی محمد اسمعیل صاحب رحمانی، مدرسہ رحمانیہ دلی سے فارغ تھے۔ پھر آپ کراچی اور لاہور بھی گئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری بعد نماز مغرب بلاناغہ درس دیا کرتے تھے۔ آپ ان کے دروس میں شامل ہوکر فیض یاب ہوتے رہے۔ تعلیم سے فراغت حاصل کرکے وطن مالوف لوٹ آئے۔ آپ بڑے اچھے عالم اور خطیب بے مثال تھے۔ ۱۹۷۵ء سے آپ جماعت اہل حدیث کی خدمت سے وابستہ رہے۔ آپ اس جماعت کے امام اور خطیب تھے۔ آپ ہمیشہ اپنے خطبات جمعہ، وعظ ونصیحت میں توحید اور عبادت پر زور دیا کرتے۔ اختلافی مسائل سے اجتناب کرتے۔ آپ مشرب کل کے حامی تھے۔ شہر کے سارے لوگ آپ کو چاہتے تھے۔ جس سے ملتے وہ یہ سمجھتا کہ وہ ہمارے آدمی ہیں اور ہمارے ہمدرد و غمگسار ہیں۔ اتنی محبت انہوں نے حاصل کی تھی۔ جماعت کی مسجد کی تعمیر میں آپ نے اہم رول ادا کیا۔ آج وہاں ایک تین منزلہ مسجد ہے۔ مدرسہ عمر کے نام سے آپ نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ ۲۰ سال تک آپ نے یہ خدمات انجام دیں۔ پھر آپ نے کاروبار شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں کافی برکت دی۔ ۱۱ر نومبر ۲۰۰۲ء مطابق ۵ر رمضان المبارک بوقت سحری بروز پیر انتقال کیا۔ پس ماندگان میں ان کی چار بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ آج ان کے فرزندان اسی کاروبار کو سنبھال رہے ہیں۔ دوسری بیٹی کے شوہر یعنی ہنگی عمر صاحب کے نواسے، مولانا کے داماد اور بھانجے سید صدیق حسین جامعی بن سید عبدالعزیز صاحب ہیں۔ جماعتی خدمات کے ساتھ ساتھ کاروبار بھی کرتے ہیں۔

ہنگی چھوٹے امام صاحب: حضرت مولانا سید اسمٰعیل صاحب ناظم جامعہ سے آپ کو بچہ کی طرح لگاؤ اور چاؤ تھا اور آپ رشتہ کے لحاظ سے مولانا کے خالو کہلاتے تھے۔ بڑی ہی انسیت ومحبت تھی۔ آپ کو حج

کی دعا و مدرسہ کر ترقی کی دعائیں اور عمر درازی کی دعائیں دیتے رہتے تھے۔توحیدی علم میں دوش بدوش آپ نے للہ مار پیٹ اور ہر قسم کی مصائب سہیں اور کبھی شکوہ سوائے صبر و استقامت کے نہ رہا۔

ہنگی چھوٹے امام صاحب مدرسہ کے صدر تھے۔مدرسہ سے بے حد لگاؤ تھا۔اپنے صرف خاص سے مدرسہ کے لئے بوقت ضرورت قرض حسنہ دیتے۔مولانا کے سفر سے واپسی پر رقم واپس ہوتی۔مدرسہ کے خاص بانیوں اور انجمن کے خاص کارندوں میں آپ کا خاص شمار ہوتا ہے اور سالانہ اجلاس جو حقیقی معنوں میں تبلیغی کانفرنسیں ہوتی تھیں۔آپ کی جانب سے اشتہار نکلا کرتا۔الحاج سید عبدالسلام صاحب بون فیکٹری بلہاری کی صدارت میں رانی چھتر میں ایک اجلاس منعقد ہوا تھا۔شرکاء میں حضرت مولانا عبداللہ مدنی شولاپوری، مولانا یٰسین صاحب وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

۱۹۴۱ء میں عربی درجات کے آغاز سے یہ مدرسہ ترقی کرتا ہوا جامعہ بنا۔جیسے جیسے اللہ کی نصرت حاصل ہوتی رہی اس میں مزید شعبہ جات کا اضافہ ہوتا رہا جیسے شعبہء درس نظامی، شعبہء یتیم خانہ، سرکاری پرائمری سکول۔جامعہ کا الحاق مدراس یونیورسٹی سے کروا کر افضل العلماء، منشی فاضل اور ادیب فاضل امتحانات کی منظوری حاصل کر لی۔صوبہء مدراس کی تقسیم کے بعد جامعہ کا الحاق وینکٹیشور یونیورسٹی تروپتی (آندھرا) سے ہو گیا۔اب اس کا الحاق سری کرشنا دیورایا یونیورسٹی انت پور سے ہے۔۱۹۹۸ کی رپورٹ کے مطابق، اس جامعہ کی کمیٹی ہے۔جس کے تحت درج ذیل ادارے کام کر رہے ہیں۔

جامعہ محمدیہ عربیہ:

اس جامعہ میں آٹھ سالہ کورس ہے۔قرآن کی تعلیمات کے علاوہ حدیث، فقہ اور دیگر اسلامی علوم متداولہ پر تعلیم دی جاتی ہے۔اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ انگریزی ریاضی سائنس جغرافیہ وغیرہ بھی پڑھائے جاتے ہیں۔اس جامعہ میں طلبہ کے لئے قیام وطعام کا انتظام ہے۔قابل اساتذہ کا عملہ تعلیم کے لئے کام کر رہا ہے۔خطبات جمعہ سے شہر کے اطراف واکناف کے لوگ جامعہ کے اساتذہ سے

مستفید ہوتے ہیں۔

جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ اندرون شہر کی قدیم عمارت

جامعہ محمدیہ اورینٹل ہائی سکول:

اس اسکول کے بانی مولانا سید عباس عمری ہیں۔ بڑی جد و جہد کے بعد سرکاری گرانٹ منظور ہوا خوب ترقی حاصل ہوئی یہاں بچوں کو اردو میڈیم میں دسویں کلاس تک نصاب کے ساتھ ساتھ عربی، ہندی، اردو اور انگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے۔ تدریسی عملہ میں مستقل اساتذہ ہیں ساتھ میں دفتری عملہ بھی ہے۔ ریاست آندھرا پردیش سے مستقل طور پر اس کا الحاق ہے۔ عملہ کی تنخواہ حکومت آندھرا پردیش سے دی جاتی ہے۔ مقامی مسلمان اس سکول سے استفادہ کرر ہے ہیں۔

جامع مسجد محمدیہ ملحقہ جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ

جامعہ محمدیہ عربیہ کی جدید عمارت جامعہ نگر رائیدرگ

مدرسہ فاطمۃ الزہراء

لڑکیوں کا مدرسہ ہے اس کورس میں داخلہ لینے کے لئے پرائمری کا پاس ہونا ضروری ہے۔ یہاں لڑکیوں میں اسلامی فکر پیدا کی جاتی ہے۔اس چار سالہ کورس کے دوران طالبات کو قرآن ،حدیث، سیرت،فقہ،خوشخطی کے ساتھ ساتھ فن ٹیلرنگ،ایمبر ائیڈری اور آئیل پینٹنگ سکھائے جاتے ہیں۔ قابل اساتذہ ومعلمات کا عملہ ہے۔

شعبۂ حفظ

جامعہ کا ایک اہم شعبہ ہے اس میں صرف حفظ اور تجوید سکھائی جاتی ہے۔اس شعبہ کے نگراں کا رایک حافظ ہیں جو طلبہ کی تجوید پر نگرانی رکھتے ہیں سالانہ امتحان میں کامیاب ہونے والہ طلباء کو کرنول کی تنظیم سے سند قرآت دی جاتی ہے۔

شبینہ مدارس

شہر کے مختلف مقامات پر رات کے وقت بچوں کو پانچ اساتذہ قرآن کی بنیادی تعلیم یعنی حروف تہجی اور یسرنا القرآن پڑھاتے ہیں۔

انجمنیں

جامعہ میں طلبہ کی تقریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے تین انجمنیں مختلف سطحوں پر بنائی گئی ہیں۔

۱) نداءالاسلام ۲) جمعیت الادب ۳) تہذیب الاخلاق

ہفتہ واری اجتماع کی شکل میں یہ انجمنیں ہوتی ہیں جس کی صدارت علمائے کرام کرتے ہیں۔

دارافتاء:

عوام الناس کو جب بھی کسی دینی یا دنیوی امور میں کوئی مسئلہ درپیش آتا ہے تو اس کے حل کے لئے مدارس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے فتاوے آتے ہیں، ان کے ہر مسئلہ کا تسلی بخش جواب غور وخوص اور مدلل کتاب وسنت کی روشنی میں مہیا کرنے کے لئے دارالافتاء کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ یہ خدمت احسن طریقہ سے علماء کی موجودگی میں انجام پا رہی ہے۔

جامعہ کی لائبریری

یہاں ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔ جو عربی فارسی اردو، انگریزی، تلگو اور کنڑا زبانوں پر مشتمل ہیں ان کے علاوہ سینکڑوں مخطوطات بھی موجود ہیں۔ لوگ بڑی مسرت سے اس لائبریری سے فائدہ اٹھاتے ہیں جس کو بانی جامعہ نے مسلسل کوشش سے بنائی ہے۔ جب شیخ الحدیث مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا ارشاد احمد مدنی اور مولانا قاری طیب صاحب نے اس لائبریری کا معائنہ کیا تو کہا تھا یہ ایک کرامت ہے کہ ایسے بنجر اور پسماندہ پہاڑی علاقہ میں ایسی نایاب کتابیں موجود ہیں۔ ریسرچ کے طلباء بھی اس لائبریری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

دارالاقامہ:

جامعہ محمدیہ ایک اقامی درسگاہ ہے یہاں طلبہ کو رہنے اور کھانے کی سہولیات کے ساتھ درسی کتب اور ادویات اور نوٹ بکس مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ دارالاقامہ کا مستقل عملہ ہے تین باورچی ایک وارڈن ہے جو دارالاقامہ کے معاملات کی نگرانی کرتے ہیں۔

انگلش میڈیم محمدیہ جونیر کالج

اعلی تعلیم کے لئے ۱۹۸۴ء میں یہ ادارہ کھولا گیا جس میں دو کورس ہیں ۱۔ ہسٹری اکنامکس پولیٹی کل سائنس ۲۔ کامرس اکنامکس اور پولیٹی کل سائنس

اس کے ساتھ ساتھ مادری زبان کے تحت اردو اور تیلگو زبانیں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

محمدیہ جونیر کالج

محمدیہ کمپیوٹر سنٹر

طلبہ کو کمپیوٹر کا تعارف کرانے کے لئے کمپیوٹر سنٹر ہے جو طلبہ جونیر کالج اور ہائی سکول میں پڑھتے ہیں وہی بچے کمپیوٹر کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔

جمعیت دار البر

بیواؤں کی مصیبت اوران کی مسکینی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ قدم اٹھایا گیا ہے جس میں بے سہارا بیواؤں کی مدد ہوجاتی ہے۔ گیارہ لوگوں پر مشتمل ایک کمیٹی ہے وہ ایسے بیواؤں کا انتخاب کرتی ہے جو اس مدد کی مستحق ہیں ایسی منتخب بیواؤں کو ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔

مسجد ویلفیر کمیٹی

یہ کمیٹی گیارہ نفوس پر مشتمل ہے جس کا مقصد مساجد کا تعمیر کروانا ہے۔ یہ کمیٹی جہاں مسجد کی ضرورت ہے معائنہ کے بعد مساجد تیار کرتی ہے۔

مستقبل کے منصوبوں میں محمدیہ ہاسپٹل اور ٹیکنکل کالج کھولنے کا ارادہ ہے جس کے زمین فراہم کرلی گئی ہے۔ جامعہ نگر میں نئی عمارتوں بنانے کا منصوبہ ہے۔

مولانا سید اسمعیل صاحب

۱۹۲۰ء تا ۱۹۶۴ء آپ نے زندگی قیمتی سال جامعہ کی ترقی کے لئے وقف کر کے جامعہ کو بام عروج پر پہنچایا۔ جامع مسجد و جامعہ کی عمارت شہر کے قلب میں تعمیر کروائی اور اس کے لئے سرکاری گرانٹ منظور کروایا اور اوقاف بھی بنوائے ان تمام سالوں میں مولانا کے بڑے فرزند سید عباس حامؔی عمری صاحب جامعہ کے انتظامی امور میں آپ کے معاون رہے۔ اسی دوران آپ پر فالج کا حملہ ہوا مختلف علاج معالجے کے بعد بھی افاقہ نہ ہوا اور فریش ہوگئے۔ اس دوران بھی کتب خانہ سے نماز فجر وعصر کتب منگوا کر اساتذہ اور منتہی طلباء سے پڑھوا کر سنتے۔ اسی دوران جامعہ کو گہن لگا مولانا کے سفر بند ہوگئے۔ مولانا حامؔی عمری ان کے قائم مقام بن کر نکلے لیکن چندہ اکٹھا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے، لوگوں کے طعنے الزامات و اتہامات سے دل برداشتہ ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ دوسرے جامعات کا رخ کرنے لگے سالوں فراغت کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جامعہ کی ترقی پر روک لگ گئی۔ ان حالات کے پیش نظر مولانا عباس نے جامعہ کے مالی مساعدہ کے لئے عالم عرب کے سفر کی

تیاری مکمل کرلی لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔تین دن کی علالت کے بعد ۷/ستمبر ۱۹۷۶ء/۱۲/رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ انتقال کر گئے۔اس حادثہ سے مولانا اوران کے خاندان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔اپنی زندگی میں دو جوان بیٹوں کی جدائی دیکھی ایک سید عبدالباقی اور دوسرے سید عباس حامؔی عمری اس سے قبل سیدہ رحمت ماں صاحبہ جو بنگلور کو بیاہی گئی تھیں بہت کم عمری میں بیوہ ہوگئیں تھیں مولانا نے یہ سارے صدمے صبرو استقامت سے سہے۔

مولانا عباس صاحب کی وفات کے بعد مولانا نے جامعہ کے ہمدرد، ذی علم افراد کے صلاح ومشورہ کے بعد اپنے بڑے پوتے سید امیر حمزہ صاحب کو معتمد جامعہ اور دوسرے پوتے سید عبداللہ عباس کو شریک معتمد،مولانا عبدالغنی سیفی کو ناظم جامعہ مقرر فرمایا اورایک انتظامی کمیٹی کی تشکیل بھی کی۔ان سب کی شب وروز محنت سے اس جامعہ میں بہار آنے لگی۔انہی ایام میں مملکت سعودیہ سے مدنی علماء کی ایک جماعت مبعوث بن کر آئی تعلیمی معیار بڑھا اب تک یہ سلسلہ جاری ہے چند سال قبل جامعہ کا الحاق ’’جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ‘‘ سے ہوا قابل ولائق،ذہین اور ہونہار طلبہ داخلے کے لئے قطار میں لگے ہوئے ہیں۔

آج جامعہ محمدیہ عربیہ مختلف ادوار سے گذر کر میں ایک بڑی عمارت میں قائم ہے۔ یہاں سے سینکڑوں جید علماء ودعا تا فارغ ہوئے ان میں والد محترم ہنگی محمد عبداللہ صاحب جامؔعی وسعیدؔی بھی ہیں۔ جامعہ کے فارغین کی وجہ سے اور جامعہ کی وجہ سے رائیدرگ ہندو بیرون ہند مشہور ہوا۔اطراف واکناف میں اس مدرسہ کے اچھے اثرات نمودار ہوئے بہت سے مکتب ومدرسے اور جماعتیں بن گئیں۔خصوصاً خواتین کی تعلیم کے لئے بلاری، ہرپن ہلی اور ہری ہر میں ہاسٹلوں کے ساتھ شاندار مدرسے کھل گئے۔

جامعہ محمدیہ عربیہ کی بدولت جماعت اہل حدیث کی ترقی ہوئی اب اس گاؤں میں سات اہل حدیث مساجد ہیں ہر مسجد میں مکتب کا انتظام ہےاور دیگر محلوں میں بھی مکاتب چل رہے ہیں۔جس کی وجہ سے بچے اور بچیوں میں اول دن سے دینی ماحول سے اس گاؤں سے شرک وبدعت کا خاتمہ ہورہاہے احناف

بھائی بھی شرک و بدعت کے معاملہ میں ہوشیار ہو گئے ہیں۔حنفی مسجدوں میں بھی اول وقت میں نماز پڑھنے کا اہتمام ہو رہا ہے۔

رائیدرگ کا ماحول دینی واسلامی ہے جو بھی سرکاری ملازمت پر تبادلہ پر یہاں آتا ہے وہ رائیدرگ کو اپنا مسکن بناتا ہے یا رائیدرگ کو یاد کرتا رہتا ہے۔رائیدرگ کے لوگ بامروت مہمان نواز اور خوش اخلاق ہیں۔تمام بچے اور بچیوں میں علم کی روشنی عام ہے۔ ہر لڑکا اور لڑکی کم از کم اردو میڈیم دسویں کامیاب ہوتا ہے۔لڑکے اور لڑکیوں میں دینداری عام ہے۔

جامعہ کے فارغین عرب وعجم کے علاوہ ہندوستان کے ہر خطے میں پھیلے ہوئے ہیں۔مشہور تلامذہ میں مولانا عبدالباسط صاحب ریاضی، مولانا عبدالرحیم صاحب آثم عمری۔مولانا محمد یوسف جمیل جامعی، مولانا عبدالوہاب جامعی ہرپن ہلی ضلع داونگیرہ، مولانا شعیب میمن جامعی جونا گڈھی، مولانا عبدالغنی جامعی سلفی، مولانا عبدالقدیر جامعی سلفی، محترم شیخ ظفراللہ خان جامعی ندوی (کویت)، مولانا عبدالغفور جامعی (بحرین) محمد انور محمد قاسم جامعی (کویت) ان کے علاوہ کویت میں ہی پندرہ سے زائد آپ کے شاگرد دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

جامعہ محمدیہ عربیہ کے فارغین جو علاقہ ٴمیسور میں جماعت کی خدمت میں مصروف ہیں ان میں مولوی فیض جامعی، مولانا ذبیح اللہ جامعی اور مولوی ذکاءاللہ جامعی وغیرہ ہیں۔غرض رائیدرگ کی سرزمیں بڑی خوشگوار اور قابل رہائش ہے۔والد محترم اس سرزمین سے اٹھے ہیں۔مولانا عبدالوہاب جامعی کا مولد و مسکن رائیدرگ ہی ہے۔آپ کے خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔آپ کے بارے میں نقوش حیات کے صفحہ ۵۸ پر محمد انور محمد قاسم سلفی یوں رقم طراز ہیں " مولانا نے ۱۹۷۴ء میں جامعہ سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد ہرپن ہلی ضلع داونگیرہ کی ایک مسجد میں امام وخطیب مقرر ہوئے پہلے اپنے مقام کی جمعیت کو منظم کیا، پھر جمعیت شبان اہل حدیث کرناٹک کے ناظم ہوئے تقریباً ۱۲ سال تک صوبائی جمعیت اہل حدیث کرناٹک کے ناظم اعلیٰ چن لئے گئے۔اس دور میں خطیب الہند حضرت مولانا عبد

المتین صاحب جونا گڈھی امیر جمعیت اور آپ ناظم ہوئے، اس سنہری دور میں آپ نے کرناٹک کی جمعیت کو کیرلا کے بعد ہندوستان کی سب سے منظّم اور نشیط وفعال جمعیت بنایا۔ اس عرصہ میں آپ ایک سے زیادہ مرتبہ نائب ناظم مرکزی صوبائی جمعیت اہل حدیث ہند کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ افسوس کہ پھر صوبائی جمعیت کو اپنوں کی ہی نظر بد لگ گئی، اس کے بعد مولانا نے جمعیت کے جنجال سے اپنی جان چھڑائی اور ''الجمیعت التعلیمیه والخیریة للاقلییته المسلمه'' کے زیر نگرانی کی ایک تعلیمی ادارے قائم کئے اور خون جگر سے ان کی آبیاری کی، چھ سات سال کی محنت کے نتیجے میں ، کلیته فاظمته الزهراء للبنات اور دیگر اس سے ملحق اداروں سے علم کے گلابوں کا ایک شاداب چمن معرض وجود میں آگیا اور علم کی ایک بستی آباد ہوگئی، جسے دیکھ کر دل ونظر کو روحانی فرحت وانبساط حاصل ہوتا ہے۔ مولانا کا نام جدوجہد کی ایک پہچان بن گیا۔ متعنا بطول حیاته، و بارك فی جهده و نفع به الاسلام و المسلمین ۔''

اسی سرزمین سے مولانا سید اسمٰعیل صاحب ہوئے۔ تاحین حیات دعوت تبلیغ میں سرگرم رہے۔ آخری ایام میں ملاقاتیوں سے حسن خاتمہ کے لئے دعا کر درخواست فرماتے۔ پورے اٹھارہ سال فریش رہ کر آخر ۳۱ جنوری بروز پیر ۱۹۸۳ء کو اس پیکر شرافت، علم وحکمت کا خزینہ، مرد مجاہد نے داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ دوسرے دن بروز منگل بعد نماز ظہر مولانا عبدالغنی سیفی عمرؔی نے نماز جنازہ پڑھائی رائیدرگ کے عام قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

خاندانِ سادات

داداحضرت مولانا سید اسمٰعیل صاحب رائیدرگی مرحوم المعروف بڑے مولوی صاحب بن حضرت سید عبداللہ صاحب (سید شاہ سرمست حسین رحمہ اللہ) بن سید محمد اکبر حسینی المعروف اکبر شاہ لمبے حضرت ساکن ہنور، حضرت خواجہ سید شاہ صوفی سرمست حسینی چشتی خلیفۂ سید امین الدین اعلیٰ بیجاپوری خلفاء میں

سے تھے ، ہنور سے رائیدرگ تشریف لائے سید عبداللہ صاحب نے کھلم نامی قریہ کے ایک خاندان میں شادی کی ۔ان کی دو بیٹیاں تھیں ۔ بڑی بیٹی سے ہنگی چھوٹے امام صاحب سے ہوئی اور چھوٹی بیٹی ہاجرہ بی المعروف اجّو ماں سے شادی کی ۔ یہ دونوں ہم زلف تھے ۔جن سے پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا ،۱) عائشہ بی۲) زہرہ بی۳) سیدہ ماں۴) صفورہ بی ۵) زبیدہ بی اور مولانا عبدالرحیم مرحوم تولد ہوئے ۔

دوسری بیوی عائشہ سے دو بیٹے ۱) مولانا سید اسمٰعیل اور۲) مولوی سید عبد العزیز صاحب پیدا ہوئے ۔

مولوی سید اسماعیل صاحب رحمہ اللہ کے ۳ بیٹے اور ۳ بیٹیاں ،سید عباس ،سید عبدالباقی ، ماسٹر سید عبد الواسع ، بیٹیاں رحمت بی اور امتہ الرحمٰن (کٹور)اور سیدہ آسیہ

ا ۔سید عباس عمری رحمہ اللہ کی دو بیویاں : پہلی بیوی ماموں زاد بہن مریم عرف ماں جان ۔ان سے چار اولاد ہوئیں ، دو بیٹے ۱) سید امیر حمزہ کریسپانڈنٹ جامعہ محمدیہ ۲) سید عبدالرحمٰن جامعہ محمدیہ میں سرکاری ملازم اور بیٹیاں ۱) سیدہ سعیدہ زوجہء نذیر الدین مقیم حیدر آباد اور ۲) سیدہ عائشہ عرف گوری اماں زوجہء سراج الدین مبارکپوری لیدر ٹیکنیشین بن ظہیر الدین ۔

دوسری بیوی رحمت خانم پھوپھی زاد بہن : ان سے تین لڑکے ہوئے ۔دو بچپن میں اللہ کو پیارے ہوگئے ۔سید عبداللہ عباس محمدیہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر ، جامعہ کے شریک معتمد

۲ ۔سید عبدالباقی : عین جوانی میں انتقال کیا ۔

۳ ۔ماسٹر سید عبدالواسع : وظیفہ یاب سرکاری مدرس ، جامعہ محمدیہ کے رکن ۔اپنی اولاد و احفاد کے ساتھ خوشحال زندگی ہے ۔ان کے چار بیٹے ماسٹر خلیل الرحمٰن ۲) سید عبید اللہ ۳) ثناء اللہ جامعی ۴) سید عباس ہیں ۔

بیٹیاں

ا ۔رحمت بی کے شوہر عبدالظاہر صاحب کاتب روزنامہ سالار بنگلور ۔جوانی میں بیوہ ہوگئیں ۔ان کی

اولاد ہیں ۱)عائشہ۲)سلمیٰ

۲۔امتہ الرحمٰن: پڑھی لکھی خاتون ہیں۔کٹور ضلع بلاری کے گاؤں میں اپنے بھرے پرے خاندان کے ساتھ ہیں۔

سید امیر حمزہ،سید عبدالمنان اور سیدہ آسیہ یہ تینوں بچپن میں ہی وفات پا گئے۔

سید امیر حمزہ کی بیوی زبیدہ بی ہندو پور سے بیاہ کر لائی گئیں جن سے دو بیٹے ہوئے ۱) سید محمد یوسف،یم اے اور ۲) سید عباس فیصل،یم ٹیک

سید عبداللہ (متوفی ۱۸/جنوری ۲۰۱۴) کی بیوی عائشہ بنت رحمت بی پھوپھی زاد بہن سے چار بچے ۱) سید محمد محیط۲) سید مکی ۳) ام الہدیٰ سلمیٰ اور ۴) لبنیٰ

سید عبدالرحمٰن کو سلمیٰ بنت باجان (ہری ہر) سے بیاہ کر لایا گیا۔جن کی ایک بیٹی صفیہ ہے۔

سید عبداللہ صاحب کے دوسرے فرزند مولوی سید عبدالعزیز صاحب کے سات بچے۔۵ بیٹے اور تین بیٹیاں ۱) مولوی ابوالکلام۲) ماسٹر سید عبدالحلیم۳) سید عبدالفتاح ۴) سید عبدالغنی ۵) سید محمد صدیق۔ بیٹیاں:۱) عائشہ مرحومہ۲) رابعہ مرحومہ اور۳) عقیلہ

(مولانا سید اسماعیل صاحب رحمہ اللہ اور مولانا سید عباس صاحب رحمہ اللہ کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے ۱) تابندہ نقوش۲) متاع حامیؔ: مرتب عبدالوہاب عبدالعزیز جامعیؔ، ناشر جمعیت ابنائے قدیم، جامعہ محمدیہ رائیدرگ)

باب۲

۱۔ ابتدائی تعلیم	۵۷	۱۷۔ مولانا کا تبحر علمی	۷۷
۲۔اعلیٰ تعلیم	۵۹	۱۸۔ بنارس سے واپسی	۷۸
۳۔دہلی	۶۱	۱۹۔ بمبئی سے گھر	۷۹
۴۔ پھاٹک حبش خاں	۶۲		
۵۔ذکر بیان	۶۳		
۶۔گرونانک	۶۳		
۷۔سوامی دیانند	۶۴		
۸۔دہلی کے شام وسحر	۶۴		
۹۔مدرسہ دارالھدیٰ	۶۵		
۱۰۔مدرسہ دارالسلام	۶۷		
۱۱۔تقسیم ہند	۶۷		
۱۲۔دہلی کی ہماہمی	۶۹		
۱۳۔قیام بنارس	۷۳		
۱۴۔درس تعلیم بنارس	۷۵		
۱۵۔قاری احمد سعید	۷۵		
۱۶۔مولانا کا حسن انتظام	۷۷		

ابتدائی تعلیم:

کلام پاک کی ابتدائی و اصولی تعلیم کا صحیح سلسلہ استاد محترم جناب حافظ عبدالرزاق صاحب ہی سے شروع ہوا۔ ناظرہ تعلیم کے اختتام کے بعد جماعت حفاظ کے داخلہ میں احقر نے حصہ لیا ایک تو یہاں ناظرہ و حفاظ کا سلسلہ تھا تو دوسری طرف ایک جماعت جناب محترم حافظ صاحب کی نگرانی میں ابتدائی تعلیم کے داخلہ کے سلسلہ میں جامعہ دارالسلام عمرآباد کا رخ کیا جن میں قابل ذکر جناب مولانا مینیجر سید عباس صاحب، مولوی عبدالرحمٰن، مولوی عبدالغنی کلاں منشی فاضل، مولوی عبدالغنی سیفی مدرس جامعہ، مولوی عبدالکریم، ہنڈیگار مولوی محمد اسمٰعیل خطیب بجواڑہ وغیرھم، ابوالکلام ندوی۔ موخرالذکر مولوی محمد اسمٰعیل و عبدالرحمٰن، مولوی ابوالکلام ندوی نے تعلیم کے سلسلہ میں دہلی کا رخ بھی اختیار کیا۔ جماعت حفاظ کے بعد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی افضل العلماء و منشی فاضل کی آمد پر تعلیمی معیار کافی بڑھ گیا تو بندہ ادھر عربی تعلیم کی طرف متوجہ ہوا جس کا سلسلہ از ابتداء تا جماعت ثالثہ نظام تعلیم رائیدرگ تک رہا۔

جامعہ محمدیہ عربیہ کی اعزازی سند

اعلیٰ تعلیم

جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن آندھرا پردیش، (گلبرگہ شاخ) ۱۹۴۴ء:

پھر جامعہ نظامیہ گلبرگہ شاخ میں نصاب کی تکمیل کے لئے داخلہ لیا وہاں تو تقریباً کافی ماحول مشرکانہ و بدعتانہ ہی تھا، مگر قدرت نے بہر حال اپنی حفاظت میں رکھا۔ اس وقت مہتمم جناب مولانا حافظ حامد صدیقی فاضل دیوبند و پروفیسر دینیات گلبرگہ وصدر مدرس جناب مولانا معراج الحسن صاحب دیوبندی و مولانا نذر الحق صاحب قابل ذکر ہیں۔ یہاں بھی جماعت اہل حدیث غازی پورہ جس کے سرگرم کارکن محمد ابراہیم وعبدالحی، عبدالقادر، واستاذ الاساتذہ حافظ عبدالقیوم صاحب مرحوم ہیں۔ یہاں کی جماعت بھی کافی تبلیغی دلچسپی رکھتی ہے۔ اکثر خطبات جمعہ حافظ صاحب موصوف ہی توحیدی سلسلہ میں دیا کرتے تھے۔ اکثر خطبات جمعہ یہیں سننے کے لئے بندہ اپنے دوست احباب کے ساتھ آتا۔

درجہ مولوی عالم نصاب جامعہ نظامیہ ہی میں تھا کہ سخت حادثہ جناب نذر احمد خاں کے صاحب زادے نور احمد خاں مدرس ملٹی پر پز ہائی سکول گلبرگہ کی طرف سے پیش آیا، انہیں پتہ چلا کہ میں مسلک اہل حدیث سے وابستہ ہوں تو مجھ پر لعن طعن شروع کی اور اپنے ہی ایک رفیق اکبر خاں کے ساتھ مار پیٹ کی نوبت آ کر مدرسہ سے اخراج کی صورت درپیش ہوئی۔ جماعت اہل حدیث غازی پورہ نے یہ حالت زار سنی تو انکے جذبات کو ٹھیس لگی اور دہلی مدرسہ رحمانیہ کی طرف رخ کرنے کا مشورہ دیا اور تعاون فرما کر وہاں تک پہنچنے کی سبیل بنائی۔ جزاھم اللہ فاحسن الجزاء

سند المولوی من الجامعة النظامية العثمانية

بسم الله الرحمن الرحيم

جامعہ نظامیہ حیدر آباد دکن آندھرا پردیش کی سند

دہلی:

یہ ۱۹۴۴ء کا ہنگامی زمانہ دور غلامی کے زنجیر ٹوٹنے کے قریب کا تھا۔ شب و روز مسلم لیگ و کانگریس و جمعیۃ العلماؤ مجلس احرار و خاکسار غرض کہ ساری تحریکات بام عروج پر تھیں ۔ یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کل کا طلوع ہونے والا سورج کیا پیغام لے کر آئے گا۔ بہر حال داخلہ مدرسہ رحمانیہ میں ہوا، اور یہاں استاذ الاساتذہ حضرت علامہ عبیداللہ مبارکپوری شارح مفتاح المصباح ، شیخ الحدیث اور ناظم رحمانیہ استاد الاساتذہ مولانا نذیر احمد دہلوی، مولانا عبدالحلیم، و بابا صدرالدین صاحب، مولانا بشیر مبارکپوری، مولانا عبدالجلیل رحمانی ایڈیٹر مصباح، قابل ذکر اساتذہ کرام ہیں جن سے شرف ملاحظہ بندہ کو ہوا ہے۔

بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے مدرسہ دارالسلام میں سنن کا دورہ کرنا پڑا۔ جس میں قابل ذکر عالم باعمل صوفی منش خطیب مسجد کلاں صدر بازار، حضرت مولانا حاکم علی رحمانی، صدر مدرس، مولانا عبیداللہ ٹونکی رحمانی مولوی فاضل مدظلہ العالی، مولانا عبدالرشید اٹاوی اور مولانا عبیداللہ صاحب اٹاوی ، شیخ الحدیث ۔ قیام احقر کا محلّہ پھاٹک حبش خاں میں تھا۔ مسجد محتسب و مسجد حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ میں اکثر جمعہ پڑھنے کا اتفاق رہتا۔ حضرت مولانا یونس صاحب برادر مولانا احمداللہ صاحب پرتاب گڈھی کے خطبۂ جمعہ اکثر ذی علم و عبرت آموز رہتے۔

احقر کے ذمہ زمانہ طالب علمی میں امامت مسجد پھاٹک حبش خاں سبل اسلام کی تھی جس کو بحسن وخوبی ۱۹۴۷ء کے فسادات خونریز تک نبھاتا رہا اور مسجد محتسب بھی اپنی تاریخی گہرائی میں اپنی شان الگ رکھتی ہے ۔ بندہ اکثر و بیشتر یہاں رمضان المبارک میں شب قدریں و دیگر اجلاس میں شرکت کرتا۔ طاق راتوں میں اکثر علماء کرام جن میں قابل ذکر مولانا محمد یونس، مولانا حاکم علی، مولانا عبدالمجید با کردی ہیں جن سے اکثر شب قدروں میں کافی بیداری اور دینی زندگی رہتی ۔ اور علاوہ بندہ کی ایک نظم جو عربی و اردو سے ملی جلی تھی بے حد پسند کی گئی اور اخبار اہل حدیث گزٹ ۱۹۴۶ء اور البیان بنگلور ۱۹۵۵ء میں شائع

ہوئی تھی ۔ یہاں ایک قابل ترین ہستی جو اپنے وقت کے مایہ ناز عالم و حضرت نذیر حسین میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالرحمٰن پنجابی ہیں برادر مولانا فقیر اللہ پنجابی ثم المدراسی ہیں آپ میاں صاحب کے شاگرد ہیں ۔نحو کے یکتا عالم ۔احقر نے آپ سے شرح جامی پڑھی ہے ۔اس شرف سے میاں صاحب کا تعلیمی سلسلہ صرف ایک ہی واسطہ سے جا ملتا ہے ۔آپ کا قیام اسی محلّہ میں تھا اکثر محتسب مسجد میں آیا کرتے تھے ۔ بندہ کو آپ کے جنازہ میں شرکت کا اتفاق ہوا۔کثیر جماعت تقریباً کافی لمبی قطاریں تھیں ۔ بڑی عجلت کے ساتھ قبرستان شیدی پورہ جو کئی میل لمبا ہے طے کیا گیا اور حضرت میاں صاحب و دیگر اہل علم ہستی کو اس عدم آباد میں آرام پاتے دیکھا۔نور اللہ مضاجعھم و قبراھم ۔

پھاٹک حبش خاں:

یہ محلّہ حضرت میاں صاحبؒ کی نسبت سے کافی شہرت رکھتا ہے ۔ بڑی بڑی ذی علم و عمل و اہل دول ہستیاں رہ چکی ہیں ۔ وقت کے عالم،صوفی ، اللہ والے ، باعمل حجاج ، دولت مند طبقے کا اعلیٰ شمار اس محلّہ میں ہوتا ہے۔رات میں عجیب کیفیت خاموش فضاؤں میں سنائی دیتی ہے ۔

دوران قیام پھاٹک حبش خاں میں ایک عجیب واقعہ ۱۹۴۶ء میں پیش آیا۔صبح کے چار بجے حسب معمول بندہ تہجد کے لئے اٹھا، وضو کے لئے پانی چھوڑا اور کسی ضرورت سے اندر چلا گیا۔پھر کیا سنائی دیتا ہے کہ کوئی آواز دینے والا پکار رہا ہے،''عبداللہ پانی بھر چکا، دوبار اسی قسم کی آواز سنائی دی، میں حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نہیں ،سونے والے آرام سے سو رہے ہیں ۔آواز دینے والے تو دی،مگر آواز دینے والے کا پتہ نہیں واللہ اعلم بالصواب ۔سویرے میں نے استاد محترم مولانا عبدالرشید صاحبؒ سے واقعہ کی تفصیل سنائی تو آپ نے فرمایا کہ اس برکت والے محلے میں بڑی بڑی عجیب حیرت کن باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں ضرور یہ کوئی نیک جن ہے جس کا گذر اکثر اسی محلّہ میں ہوتا رہتا ہے اور اس کا نام بھی عبداللہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

ذکر بیان:

پھر آپ نے حضرت میاں صاحبؒ کے گذرے واقعات سناتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ آپ کے درس حدیث میں علاوہ انسانی تلامذہ کے جنات تلامذہ بھی شرکت فرماتے اور درس لیتے اور رات میں آپس میں کسی قسم کی تکرار سبق کے لئے ہوتی تو پھر آپ کے پاس تشریف لاتے اور مسائل حل کرتے۔ بہر حال اپنا سر چشمہ انس وجن پر حاوی تھا۔ تمام ہند کشمیر راس کماری سے لے کر بنگال تک آسام سے لے کر جنوبی ہند تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ خود ہی بڑے علمی سرمایہ کے لحاظ سے سمندر بے پایاں تھے، اخلاق کے مجسمہ، تلامذہ کے ساتھ خاص برتاؤ۔ واقعہ خاص مذکور ہے کہ ایک مرتبہ بنگال سے کسی طالب علم نے تحریر کیا کہ میں دلی کے لئے بالکل اجنبی ہوں مدرسہ کے راستہ سے ناواقف۔ بہتر ہے کہ کسی کو اسٹیشن تک روانہ کر دیا جائے۔ خط ملتے ہی آپ بہ نفس نفیس پہنچے اور طالب علم کا سامان خود اپنے کندھوں پر لیا اور مدرسہ تک پہنچادیا۔ طالب علم مذکور مدرسہ میں داخل ہوا اور آکر استاد الاساتذہ حضرت میاں صاحب کے بارے میں دوسرے طلباء سے دریافت کرنے لگا کہ حضرت سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا کہ ارے میاں وہی محترم ہستی تھی جو تیرے سامان کو یہاں تک لے آئی۔ طالب علم گھبرا گیا اور آپکے پاس معافی کے لئے پہنچا۔ مولانا نے فرمایا کہ نہیں، خود آقائے نامدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک طالب علم کے بارے میں ہے کہ سمندر کی مچھلیاں اور سوراخ کی چینوٹیاں اس کے لئے دعا کرتی ہیں اور فرشتے خود ایسے طالب علم کے لئے اپنے پر پھیلاتے ہیں تو پھر میں ایسی فضیلت سے محروم رہوں؟

سکھوں کے گرو گرونانک:

مشہور ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ سے قرآن اور اسلامی تعلیمات سیکھا تھا اور اس کو ایک مسلم سمجھ کر بڑی خاطر مدارات سے مولانا نے پڑھایا۔ مگر آگے چل کر نیا مذہب جو نہ ہندوؤں سے اور نہ ہی

مسلمانوں میں مدغم ہوا ایجاد کر دیا اور ایک گرنتھ بھی لکھی اس گرنتھ کو اب بھی ان کے گردواروں میں بڑی عقیدت سے دیکھا جاتا ہے اور قابل بھی سمجھا جاتا ہے، جو پنجابی زبان میں تحریر ہے۔

سوامی دیانند جی: آریہ سماج کے بانی مبانی بھی مشہور ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ سے فیض یاب ہوئے تھے۔آپ قرآن وحدیث کے قابل عالم وفنونیات میں کافی مہارت حاصل کی تھی اور اپنے طالب علمی میں کافی ذہین تھے۔مگر آگے چل کر انہوں نے بھی ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جس کو آریہ سماج کہا جاتا ہے۔

سوامی جی سے کئی ایک مناظرے آگے چل کر مناظر اسلام فاتح قادیان آریہ سماج وفاتح اہل قرآن حضرت مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ سے ہوتے رہے جن میں قابل ذکر دلی، امرتسر، لاہور وغیرہ اہم مقامات ہیں۔اس سلسلہ کے علمی مضامین اور میاں صاحب کے علمی خدمات استاد الاساتذہ حضرت مولانا نذیر احمد دہلوی کے مضامین ترجمان سے ملاحظہ کر سکتے ہیں جو کہ زمانہ انگریز کی محض انسانی ہمدردی بعض مستورات سے کرنے پر آپ کو انگریز دوست ثابت کرنے بعض معاندین نے کوشش فرمائی ہے۔ حضرت مولانا نذیر احمد نے اس کا دنداں شکن جواب ۶۲۔۶۳ء میں دیا ہے۔ بہر حال یہ علمی فیض سالہا سال تک اسی محلّہ پھاٹک حبش خاں میں آپ کا جاری رہا۔یادگار کے طور پر یہاں پنجابی محلّہ کی مسجد و مدرسہ وقیام گاہ، مشہور زمانہ لائبریری شمس العلماء مولانا نذیر حسینؒ کی ہے۔آپکے جنازہ میں شرکت کرنے والوں کا بیان ہے کہ اتنی کثیر تعداد علماء، متقی حضرات کی ہم نے اس سے سابق میں نہیں دیکھی تھی دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ سفید لباس وعمامے والے اتنے زیادہ تھے کہ انسانوں کا گمان ہی مشکل تھا۔ بقول دیگر جنات طلباء کی کثیر تعداد تھی جو جنازہ میں شرکت کے لئے آئی تھی۔نوراللہ مضاجعہٗ آمین۔

دہلی کے شام وسحر:

زمانہ ۴۴ تا ۴۷ء اواخر ذی الحجہ آنکھوں دیکھا حال بھی درج کرنا قابل عبرت ہے۔ یہ وہ زمانہ عروج

تھا ایک طرف عربی مدارس کا جال پھیلا ہوا، دینی خدمات انجام دیے رہے تھے تو تبلیغی ادارہ بھی بھرپور سعی کر رہے تھے۔ حصرت مولانا الیاسؒ بانی جماعت تبلیغی بھی نظام الدین بستی میں اپنی خاموش خدمات انجام دے رہے تھے۔ دیو بندی حضرات کا دارو مدار لے دے کر جمعیۃ علماء پر تھا۔ اور اس وقت حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب مفتیٔ ہند مدرسہ امینیہ دہلی/مدراس، صدر جمعیۃ، و نائب صدر مولانا احمد سعید دہلوی اور آگے چل کر مولانا حسین احمد مدنی صدر و نائب صدر مولانا احمد سعید رہے۔ مدرسہ حسین بخش، مدرسہ امینیہ، مدرسہ عالیہ فتح پوری و ناظم اعلیٰ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علماء دہلی، زمانۂ دارز اور آزادیٔ ہند کے بعد سولہ سال تک برابر خدمت کرتے رہے۔ قومی و ملی و نیز احقر کے پیدائشی گاؤں رائیدرگ بھی آئے تھے اور جامعہ محمدیہ کا معائنہ کیا اور تقریر بھی فرمائی جن میں کانگریس و دیگر کارکن شریک تھے۔ مدارس اہل حدیث میں زیادہ اور مشہور و معروف مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی تھا۔ جس کے شیخ الحدیث مولانا عبداللہ مبارکپوری اور ناظم مولانا نذیر احمد دہلوی (متوفی ۳۰/مئی ۶۵ء) و مدیر محدث تھے۔ اساتذہ میں مولانا عبدالکلیم، صدر الدین، رستم صاحب، مولانا عبید الرحمٰن مبارکپوری مرحوم برادر شیخ الحدیث مولانا بشیر احمد مبارکپوری، مولانا عبدالجلیل رحمانی ناظم شہ ستیاں مدرسہ سعیدیہ دار الحدیث پل بنگش دہلی۔ جس کے ناظم و شیخ الحدیث مولانا شرف الدین صاحب تلمیذ مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی، مولانا تقریظ احمد صاحب دہلوی، مدیر اخبار اہل حدیث دہلی وہ ناظم کتب خانہ محمدیہ دہلی۔ مدرسہ زبیدیہ کشن گنج دہلی، مدرسہ دارالہدیٰ کشن گنج دہلی، مدرسہ حاجی علی جان، مدرسہ ریاض العلوم مچھلی والان دہلی۔

مدرسہ دارالھدٰی، کشن گنج، دلی:۔

مدرسہ فیاضیہ دہلی اب تک قابل ذکر مدرسہ ریاض العلوم اپنی خاموش خدمات مچھلی والان میں بزیر نگرانی مولانا عبدالسلام بستوی مدظلہ العالی مدیر الاسلام کام ہو رہا ہے۔

مدرسہ دارالسلام:۔

یہ مدرسہ بمقام صدر بازار مسجد کلاں میں دو محترم حضرات ۱۹۴۷ء تک خدمات انجام دیتے رہے جن میں موجودہ عالم باعمل مولانا احمد اللہ صاحب کے شاگرد رشید حاکم علی خاں پنجابی اور دوسرے مولانا عبید اللہ ٹونکی اور اس میں تحریک اہل حدیث اور تبلیغی کام انجام خاموش بلا معاوضہ محض خطوط نویسی ڈاکخانہ صدر بازار کے نیچے حصے میں کام کرتے خطوط لکھتے اور ذریعہ معاش کرتے جن کا اسم گرامی مولانا عبیدالطیف صاحب مبلغ ہے جو آج بھی اکثر دہلی کے کثیر اجتماعات اہلحدیث میں شریک ہیں خدا آپ کے کام ومشاغل میں ترقی عطا فرمائے آمین۔اور مولانا عبیداللہ ٹونکی اور مولانا ابواسرائیل اور مولانا محمد اسمٰعیل بھی قابل بھی قابل ذکر حضرات ہیں۔

تقسیم ہند:

ہندوستان کی تقسیم کے بعد اکثر احباب پاکستان روانہ ہوگئے جس میں قابل ذکر علماء کرام، حضرت مولانا شرف الدین سعیدیہ پل بنگش، مولانا محمد یونس پرتاب گڈھی، مولانا حاکم علی استاد مکرم عبدالوکیل صاحب قابل ذکر ہیں ان میں مولانا یونس تو ۴۷ تا ۵۰ء برابر پنجابی مسجد میں بمقام کراچی مسجد میں جمعہ کا خطبہ جاری تھا اور اس طرح اہل دول و جماعتی حضرات میں شیخ عبدالوہاب مہتمم مدرسہ رحمانیہ دہلی، بشیر الدین دہلی ناظم دارالسلام وسبل السلام، مولانا عبدالحنان ایڈیٹریل گزٹ تاجر پاچہ گوردھن داس مارکٹ کراچی قابل ذکر ہیں۔

ابوداود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ جلدین، بلوغ المرام
جلالین، شرح نخبۃ الفکر
سراجی، قدوری، شرح وقایہ جلدین
اصول الشاشی، نور الانوار، تلخیص المفتاح، مختصر المعانی
مرقاۃ، شرح تہذیب، قطبی، سلم العلوم، حمد اللہ
ہدیہ سعیدیہ، میبذی

مدرسئہ دار السلام دہلی کی سند

مدرسۂ سبل اسلام دہلی کی سند

دہلی کی ہماہمی:

دہلی کی ہماہمی بھی قابل ذکر ہے جب کہ قیامت کا نفسی نفسی کا عالم تھا۔ آنکھوں کے سامنے گذرا۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم شب قدر (ستائیسویں شب ماہ رمضان کو رات بارہ بجے ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء ہوئی۔ بندہ و احباب جماعت مسجد محتسب پھاٹک حبش خاں دہلی میں شب بیداری ہورہی تھی۔ بوقت ۱۲/بجے ہماری دہلی کی رات کی آزادی کی مسرت بھری خوشیاں دیکھنے کے لئے دہلی کے بازاروکوچوں میں گھما گھمی ہو رہی تھی اورادھر ریڈیواسٹیشنوں کے ذریعہ پوری دہلی کی کیا بھارت کی سرزمین پر انگریز آخری ہچکی لے رہا تھا اور ہندوستان کی ابتدائی حرکت پورے شباب سے شروع ہورہی تھی اور ذمہ داری اور حلف وفاداری اٹھانے والوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، نہرو، پٹیل، راجندر پرشاد، راج گوپال آچاریہ قابل ذکر ہیں اس میں آخری گورنر جنرل مونٹ بیٹن اور لیڈی مونٹ بٹن ہیں جو یہ عظیم کروڑھا لوگوں کی ذمہ داری ان حضرات کو سونپ رہے تھے اور ایک ایک حلف وفاداری اٹھارہا تھا جس میں اراکین پارلیمنٹ کی ذمہ داری خود نہرو پٹیل کے سپرد کی گئی تھی اور آگے چل کر نہرو وزیراعظم اور پٹیل نائب وزیر، اور مولانا وزیر تعلیم بنے۔ اب دوسرے دن ہی سے آنے والے پناہ گزینوں کا لامتناہی سلسلہ پاکستان یعنی لاہور (پنجاب) سے شروع ہوا اور فتنہ پروری کی پہلی جڑ سکھوں کی کرپانوں اور تلواروں سے ہوئی جنہوں ساری دہلی کو تباہی میں لے لیا اور یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ گاندھی جی جنہوں نے اپنی عظیم ذمہ داری دے کر یہ عہدہ نہرو اور پٹیل سے کروایا تھا کہ تم دونوں کو خلفائے اسلام حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کی طرح چلنا ہے، مجبوراً برت رکھنا پڑا اور آزادی سے قبل اور بعد بھی گاندھی جی کی پرارتھنا سبھا رام لیلا میدان کے گراؤنڈ میں ہوتی تھی جس میں سب سے پہلے ایک معمّر بزرگ سورۂ فاتحہ پڑھتے، پھر گاندھی جی مع بچیوں کے ایشور اللہ تیرے نام پڑھواتے اور بعد سیاسی و مذہبی باتوں کا نچوڑ پبلک کے سامنے اہنسا کی تعلیم کی صورت میں رکھتے جس میں ہندو مسلم سکھ عیسائی سبھی جمع ہوتے۔ مگر اب تقسیم ہند کے بعد

حالت دگرگوں ہورہی تھی، قرآن کا پڑھنا ناگوار گذر رہا تھا۔ یہاں تک کہ برلا ہاؤس جہاں گاندھی جی ہر روز پرارتھنا کرتے اعتراضات شروع ہوئے اور کہا کہ اب قرآن نہ پڑھائیں۔ اس قرآن نے تو ہمیں تقسیم کرایا اور یہ نوبت ہم تک لائی۔ مگر گاندھی جی نے کہا کہ قرآن اتحاد کا پیغام دیتا ہے اختلاف کا نہیں بہرحال یہی تگ ودو جاری تھی کہ آہ نے مظلوم مسلمانوں کی تائید اور مساجد کی عام بربادی اور باعصمت عورتوں اور جوان بچیوں کی بے حرمتی نہ دیکھ سکے اور اس سلسلہ میں برت کا سلسلہ جاری رکھا اور دہلی کے قتل عام بند کروانے مساجد خالی کرنے کی پبلک سے اپیل کی اور سلسلۂ برت کی نقاہت یہاں تک پہنچی کہ مجبوراً مولانا آزاد اور نہرو پہنچ کر برت کھلوایا مگر آپ آمادہ نہ ہوئے یہاں تک کہ سردار پٹیل سے بیزاری کا اظہار کیا اور مجبوراً مولانا آزاد کے کہنے کے مطابق مدراس سے ملٹری بلوائی گئی جس نے کئی دن بعد دہلی میں بزور بازو امن قائم کیا ۔

اس طرح کا سلسلہ جو کہ رمضان سے شروع ہوا تھا مجبوراً سبل السلام پھاٹک حبش خاں دہلی جہاں کہ مولانا میاں نذیر حسینؒ کی پاکیزہ اور مقدّس جگہ سمجھی جاتی تھی جس کے خطیب اعلیٰ جناب مولانا محمد یونس صاحب پرتا بگڈھی تھے جن کی شیریں مقالی وزبانی پنجابیوں کے دل موہ لئے تھے آپ کا خطبہ بڑا عالمانہ وانداز خطیبانہ ومورخانہ ہوا کرتا تھا اکثر احقر آپکے خطبۂ جمعہ میں شرکت کرتا (متوفی غالباً ۶۷ء) یا کبھی دوسرے اوقات میں مولانا حاکم علی پنجابی (نمونۃً مولانا محمد جونا گڈھی) خطیب الہند کے طرح مسجد کلاں صدر بازار دیتے۔ دوسرے عالم دین مولانا عبدالرشید اٹاوی تھے جو کہ واقعی بڑے مہربان اور طلباء پر بڑی شفقت تھی ونیز احقر کو تو اپنا بچہ خیال فرماتے خدا غریق رحمت کرے بڑے ہی مربیانہ انداز رکھتے تھے (جن کا انتقال غالباً ۶۵ء میں) اسی مدرسہ مذکور میں قیام اور مولانا مذکور (عبدالرشید) سے سنن، ابو داؤد، نسائی پڑھی اور مدرسہ دارالسلام میں ترمذی و ابتدائی صحیحین مولانا شیخ الحدیث حاکم علی پنجابی (مہاجر پاکستانی) اور علوم ادب مولانا عبیداللہ ٹونکی رحمانی سے حاصل کیں۔

۱۹۴۷ء کے پرآشوب دور میں یہ متبرک مقام کو بھی خیرباد کہنا پڑا جب کہ کرفیو کھلنے کے بعد جب

لوگ سودا سلف کے لئے باہر نکلے تو فوراً دلخوش بلڈنگ کی دائیں جانب کی بلڈنگ ہندوؤں کے مقام سے فوراً مسلمانوں پر اشک آور بارود گولہ آتشیں آیا اور بڑی زور سے دھما کہ ہوا جس سے کہ ایک بھگدڑ مچ گئی لوگ ہکّے بکّے بھاگنا شروع کیا۔ پھر کرفیو لگ گیا پھر اس کے بعد مسلسل شب وروز یہی سلسلہ، رات تو بہر حال مشکل سے گذر جاتی چاروں طرف غیر قوم کی پکار (ہر ہر مہادیو) ہوتی۔ آگ لگتی، مکانات جلائے جاتے۔ ادھر جواب میں مسلمان بھی نعرہ تکبیر کی بلندی کرتے۔ پھر آگ کی بوچھاڑ۔ بندوق کی باڑ کا سلسلہ جاری رہتا۔ مجبوراً مذکورہ محلّہ جب کہ اکثر مرد اور عورت اس محلّہ کو چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک دن ایسا سخت آیا کہ تمام مستورات محلّہ پھاٹک حبش خاں اور اطراف کی عورتیں اُمنڈ پڑیں اور روتی سسکتی یہاں سے نکل کر ہمایون کا مقبرہ جانے یا پاکستان، لاہور کراچی جانے پر آمادہ ہوگئیں یہ وہ حسن و جمال تھا کہ جس سے پہلے کبھی یہ باعصمت اتنی بے نقاب ہوکر نہ نکل پائیں تھیں مجبوراً اپنے گودوں میں معصوموں کو لئے ہوئے بدکتے اور روتے ہوئے جارہے تھے اور ادھر پناہ گزینوں کا سلسلہ ہے کہ الور، بھرت پور، جے پور وغیرہ کی ریاستوں سے تمام مسلمانوں کو مجبوراً نکال دیا گیا تھا اور یہ روتے پیٹتے عورتوں سے زیورات چھیننے، کسی کے کان پھٹے، کسی کے گلے زخمی۔ غرض یہ مفلوک الحال یہاں مساجد کے صحن، مسجد محتسب اور قریبی حنفی مسجد، مسجد میاں صاحب میں مقیم ہوگئے تھے۔ اہل محلّہ نے انکے کھانے کا انتظام کیا اور کچھ کا ٹکٹ کا۔ بہر حال اسی کسم پرسی کی حالت میں ان لوگوں کو اپنا آبائی وطن چھوڑنا پڑا۔ اب ذرا انکا حال اسٹیشن پر دیکھئے کہ ٹرینیں زخمی شدہ آرہی ہیں جس میں مردے بھرے پڑے ہیں، کوئی سسکتا دم توڑتا ہے جو لاشوں کے درمیان زندہ بچا اس نے جان بچی لاکھوں پائے کی حیثیت سے آیا اور حالات سنائے۔ بہر حال لوگ ٹرین پر سوار رو پیٹ رہے دلی ماتا کو خیر باد کہہ رہے ہیں، کوئی کہتا ہے ''اے دلی تجھ سے ہم ہمیشہ کے لئے وداع ہورہے ہیں،'' کوئی کہتا ''اتنی عمر تو یہاں گذری اب یہ باقی بھلا میں کہاں گذاروں'' بہر حال عجیب اندوہناک منظر تھا۔

اسی اثنا بروز جمعہ جب کہ سارے نمازی نماز میں مصروف ہیں مسجد فتح پوری میں جب کہ اللہ کے

بندے بعد فرض سنتیں پڑھ رہے ہیں یکا یک بارود کا گولہ صحن مسجد میں ڈالا جاتا ہے جس کا انتظام پہلے ہی سے منظّم غنڈوں نے کیا تھا کہ بس تینوں دروازوں پر سکھ، سندھی اور ہندو کھڑتے اور ہر نکلنے والے پر اے مسلاّ اور پاکستانی کہہ کر پکڑ پکڑ کر نہتے مسلمانوں پر حملہ کرتے۔ پھر زخمی شدہ لوگ چاروں طرف تتر بتر پھیل جاتے۔ بس ایسا ہی حال ایک بھاگتے بھاگتے اسی محلّہ پھاٹک حبش خاں میں ایک سکھ اپنی کرپان لئے پہنچا اور حملہ آور صورت سے ہر ایک کو، تاکتا آیا کہ ایک افغانی جو چوکیدار کہ مانا والی گلی براستہ مسجد میانصاحب پہرہ دے رہا تھا اپنے چھرے سے ایسا حملہ کیا کہ بس دشمن خدا وہیں ڈھیر ہوکر رہ گیا۔ (مزید تفصیلات کے لئے کتاب خون کے آنسو ملاحظہ فرمائیں)

پھر احقر بھی اسی مسجد کو جس کی ذمہ داری کہ بندہ پر صرف ۸/ روپئے وظیفہ پر پانچوں وقت کی امامت واذان کی ذمہ داری عائد تھی ادا کر رہا تھا خیر باد کہنا پڑا اور اس اثنائے رمضان شریف میں احقر نے تراویح کی ذمہ داری مسجد اہل حدیث موری گیٹ دہلی (بالا خانہ) قریب استاذ محترم مولانا حاکم علی کے بھی اعادۃ قرآن کروایا فللہ الحمد۔

اس محلّہ کی حالت بھی بگڑتی جارہی تھی اور اکثر احباب اس کو چھوڑ رہے تھے، تو بندہ نے بھی اپنے بنگالی ساتھی کے محلّہ بلیماراں کو جانا پڑا، جہاں کہ کثرت آبادی مسلم کی تھی اور خوب حالت میں تھے۔ اب ذرا رب کی آزمائش بھی ملاحظہ فرمائیں کہ احقر اپنی ضروری کتابیں و چیزیں لے کر بازار فتح پوری میں پہنچا۔ اور اسی گلی سے براستہ فراش خانہ محلّہ بلیماراں میں جانا چاہا تو ایک گلی جو کہ مربہّ واچار والی گلی کہلاتی ہے جس میں قبل تقسیم کافی مسلم دکان دار رہتے تھے، دو سکھ کھڑے دھتکارتے ہوئے کہا کہ اور مسلّے تیرے پاس کیا ہے۔ بس ابھی جواب ہی دے رہا تھا کہ اس نے ایک سخت دھکے سے چیزیں چھین لیں۔ بس میں بہت افسردہ خاطر تنہا مالک پر بھروسہ کئے گلی سے گذر رہا ہوں کہ اوپر سے لعن طعن مسلاّ کی آوازیں کسے جارہے تھے۔ پھر میں یہ واقعہ اپنی جماعت اہل حدیث حضرات سے سنایا وہ بھی کبیدہ خاطر ہوئے۔

اسی مسجد میں چند دن قیام رہا گاہے گاہے امامت کی ذمہ داری بھی ادا ہو جاتی۔ بہر حال اسی تگ و دو میں از ماہ رمضان تا محرم الحرام گذرا۔ آخر مجبوراً میں نے مولانا سیف بنارسی کو لکھا کہ دہلی کے حالات اس طرح ہیں اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو بندہ یہاں کی سنن کی تکمیل کے بعد صحیحین کی تکمیل کر سکے گا۔ مولانا خط پاتے ہی جواب دیا اور فرمایا کہ علم کا دروازہ ہر حال میں آپ کے لئے کھلا ہے۔ جواب پا کر فوراً بنارس کا رخ کریں۔ مجبوراً یہاں سے مع سامان دہلی اسٹیشن پہنچا کہ لوگوں کی قطار بھری ہے۔ اسی اثناء ایک گھڑی احقر نے دہلی سے مختصر قیمت پر خریدی اور ایک بیاٹری بھی۔ پھر ایک دہلی والے تاجر کلکتہ والے سے ذرا بڑی سائز کی دستی گھڑی خریدی ہوئی ریل میں۔ پھر یہ سفر عبور کر کے بنارس اسٹیشن پہنچے۔ یہاں بالکل امن و امان تھا۔ پنڈت گوند ولبھ پنت کا زمانہ بڑا با امن سارا یو پی کا علاقہ پُر امن کہلاتا تھا اور ہر جگہ یہاں کے امن کو سراہا جاتا۔

قیام بنارس:

سب پہلے اسٹیشن سے احقر مولانا کی مسجد محلّہ دارانگر مدرسہ سعیدیہ بنارس پہنچا، جہاں مولانا عبیداللہ رائے بریلی، مولانا عزیز القدر ابوالکلام احمد ندوی اپنے دہلی کے زمانے کے ملے۔ پھر رحمانیہ، سعیدیہ پل بنگش کا زمانہ یاد آیا۔ مولاناؒ نے سب سے پہلے تعلیمی حالت اور معیار دریافت کیا تو میں نے سنن کی سند دہلی بتلائی جو اس طرح اور ساتھیوں کے پاس جیسے مولانا عبد الباری بنگالی، عبیداللہ بریلوی، ابوالکلام احمد ندوی رائیدرگی کے پاس نہ تھی جس پر مولانا جو کہ ایک حق پرست اور خدا ترس بزرگ تھے میری سند میں لکھ دیا کہ سنن کی سند ان کے پاس ہے بقیہ اس سے محروم ہیں۔ بہر حال اس طرح صحیح بخاری کی ابتداء جو کہ پہلے ہی ہو چکی تھی چند پاروں کے بعد آملنا ہوا۔ اسی طرح تفسیر القرآن مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے درس میں از اول تا آخر شریک رہے۔

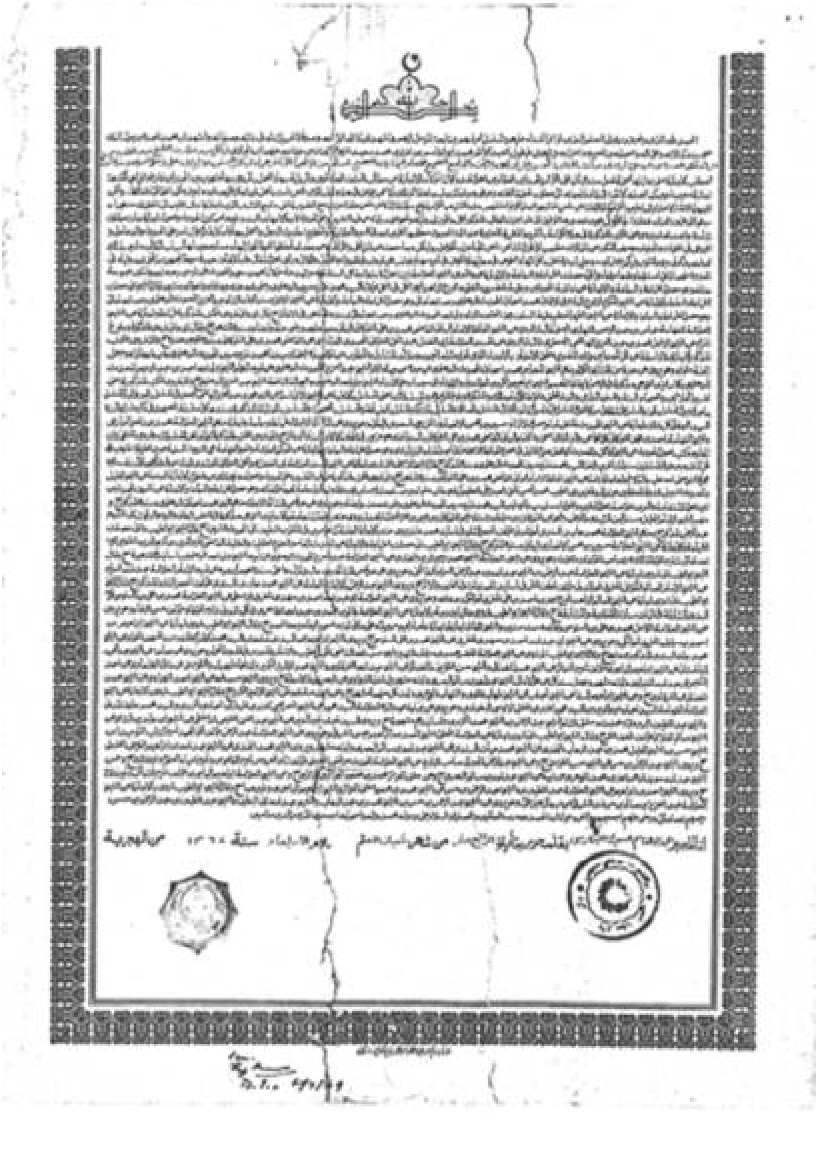

مدرسۂ سعیدیہ بنارس کی سند

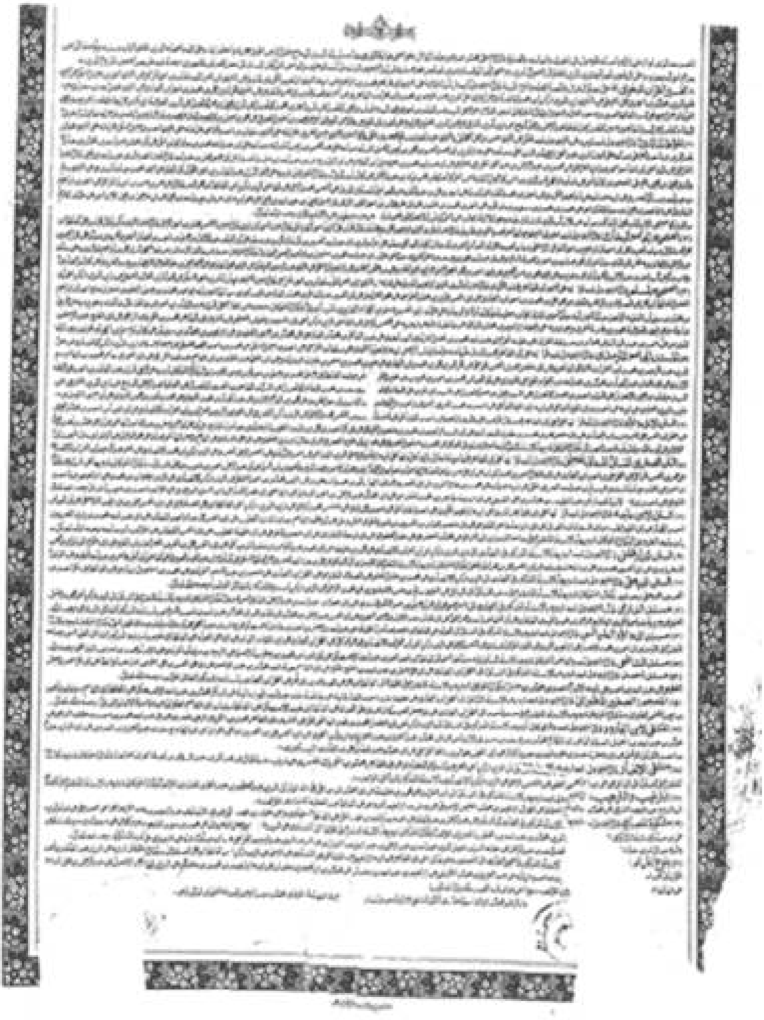

مدرسۂ سعیدیہ بنارس کی سند

درس تعلیم بنارس:

استاذ مرحوم نے احقر کے قیام وطعام کا بندوبست مسجد اہل حدیث جین پورہ جماعت سے کروایا جو احقر دونوں وقت ایک عبد الغفور صاحب تاجر ریشم ، دوسرے محمد یعقوب صاحب اینڈ سنس یعنی صاحبزادگان محمد ابراہیم ،محمد اسمٰعیل ،محمد انوارالحق وغیرھم کے طعام مقرر ہوا۔ احقر دونوں کے ہاں جا کر اپنا کھانا لے آتا اور یہ حضرات بھی ایک چھوٹے بھائی کی طرح سلوک کرتے۔ یہ محلّہ قریب ہی چھوہر کہلاتا تھا۔ اب ماشاءاللہ اچھے خاصہ تاجر ریشمی سلسلہ میں بنے ہیں جنکی ہندوستان میں زمزم سلک ہاؤز اور پاکستان میں بنارس سلک میوزیم چل رہی ہے۔ بارک اللہ۔

قیام اسی مسجد میں تھا اور احقر کے ذمہ پانچ وقت کی نماز تھی اور خطبہ جناب مولوی عبدالحنان صاحب جو استاذ محترم کے برادر تھے۔ آپ خطبات محمدی دیکھ کر خطبہ دیتے۔ کبھی کبھی خاص اوقات میں آپ کے چچا اور استاذ محترم کے بھائی جناب قاری احمد سعید بھی مدن پورہ بنارس سے آتے اور تبلیغی اوقات یا مخصوص پروگرام میں آپ کے جمعہ کے خطبات ہوتے۔

قاری احمد سعید:

آپ کا شمار ہندوستان کے مستند قراء میں تھا جن سے ہزاروں طلباء مدرسہ رحمانیہ سے فراغت اور سند قرات لے کے ملک میں پھیلے اور جماعت اہل حدیث میں مستند قرأت کی بنیاد ڈالی۔ آپ ایک متین اور محتاط اور پُر جوش مبلغ تھے۔ آپ ہی سے مدن پورہ کی جماعت بیدار تھی اور اسی طرح اطراف واکناف کے قریہ جات تبلیغی مقاصد میں کامیاب ہوتے اور علماء کرام کا اجتماع اور اجتماعی چندہ وغیرہ آپ ہی کی جدوجہد سے ہوا کرتا تھا۔ خدا غریق رحمت کرے بہت سی خوبیاں مرحوم میں تھیں۔

مولانا کا حسن انتظام:

مولانا کا مدارس کا انتظام بے حد پسند آیا۔ آپ ایک باوقار و با تمکین ہستی تھی ۔ درس میں فرماتے کہ مجھے شیخ عطاء الرحمٰن مدرسہ رحمانیہ دہلی نے بلوایا کہ دیو بند کے تمام حاشیہ جو ہماری احادیث بخاری، مسلم، ترمذی، مشکوۃ پر ہے اس کو تبدیل کر کے اہل حدیث حواشی لکھ دیں۔ مگر آپ فرماتے جی نہیں مجھے اپنے پدر کی درس گاہ کسی حال میں بھی نہیں چھوڑنا ہے۔ حتّیٰ کہ مجھے خود اہل مدن پورہ رحمانیہ کے لئے بلوائے ہیں، مگر یہ پسند نہیں کہ میں جا کر وہاں درس دوں بلکہ انکے خود یہاں آنا چاہئے۔

آپکا درس صبح ۸/بجے شروع ہوتا اور تقریباً ۱۲/بجے یا قبل ظہر تفسیر اور درس بخاری ختم ہو جاتا۔ پھر ظہر بعد کھانا اور قیلولہ ہوتا۔ آپ تمام طلبا کا انتظام اسی طرح فرماتے تھے کہ مسجد کا انتظام امامت و مؤذن بھی چل جائے اور یہاں کا قیام و طعام کا بھی اور سلسلہ درس بھی باقی رہے۔ جزاہ اللہ

مولانا کا تبحر علمی:

استاذ نا سیفؒ والدِ محترم مولانا محمد سعیدؒ کے شاگرد تھے اور آپ مولانا میانصاحب کے شاگرد تھے۔ آپ میانصاحب یہاں سے گذرتے ہوئے والد محترم (مولانا سعیدؒ) کے گود میں ابھی چھوٹے تھے تو آپنے آپ کے لئے دعائیں دیں۔ آپ فخریہ اپنے درس میں کہتے کہ بزرگوں کی دعا میرے ساتھ ہے آپ نے اپنے پرانے ہندوستانی خاندان کے لحاظ سے راجپوت کہلاتے تھے بعد آپ کے دادا یا والد محترم کے زمانہ میں قبول اسلام فرمایا۔ پھر آپ بنارس ہی میں مقیم ہو گئے اور علم دین کی باقاعدہ خدمات انجام دینے لگے۔ والد محترم بھی ایک اعلیٰ پائے کی علمی ہستی کہلاتی تھی۔ اپنے قلمی و تبلیغی خدمات سے جماعت کو نوازا تو تحریری حیثیت سے قلمی خدمات بذریعہ رسالہ جات (اور خاص کر (الصین، بجہر الا مین) و دیگر قلمی خدمات سے جماعت و قوم کو نوازا۔ آپ کے خود کا ذاتی پریس، (سعیدیہ پریس بنارس) دارانگر کے نام سے قائم تھا۔ استاد محترم ایک محتاط و متقی و حق پرست ہستی تھی۔ اسم با مسمّٰی۔ تحریر و تقریر میں

تلوار ہی تھے۔آپ کے مواعظ حسنہ وقلمی خدمات کی دھوم سارے ہندو پاک میں مسلم تھی۔خصوصاً اخبار 'اہل حدیث' کے پرانے فائل اور فتاوی ثنائیہ مجموعہ مولانا رازؔ ملاحظہ فرمائیں تو آپکا فتویٰ نہایت مدلّل ہوتا تھا۔اخبار میں جو بھی شروع فرماتے نہایت مدلّل لکھتے۔وعظ کا سلسلہ یوں تھا کہ پہلے آیات محکمات کے دلائل، پھر احادیث نبویہ، پھر تاریخی امثال سے تفہیم کرتے۔پھر سیاسی پلیٹ فارم پر بھی تقاریر کا سلسلہ شروع ہوتا تو تاریخی معلومات کا سمندر بکھیر دیتے۔آپ ایک کٹّر کانگریسی تھے اور کھدر پہننے کی دلیل حدیث عائشہؓ سے وارد کرتے۔آپ فرماتے کہ حضورؐ کی وفات کے وقت جناب مائی عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو کس میں کفنایا گیا تو جواب ملا کہ دو کھدر کی موٹی چادروں میں۔خود بھی پہنتے اور ٹوپی بھی اسی قسم کی اور آپ کے برادر مولانا قمر بنارسی مدظلہ العالی پروفیسر چندوسی کالج بھی اسی وضع کے پابند تھے۔آپ خلافت، کانگریس کے سختی سے قائل تھے اور مولانا آزادؔ، محمد علی، شوکت علی کے مدّاح۔

آپ فرماتے کہ سیاسی جلسے میں ہم شرکت کرتے۔اور وقت نماز آتا تو مندروں کے صحنوں میں تک ہم نے نماز ادا کی ہے۔مرحوم ایک خاص وضع کے پابند تھے۔حتّٰی کہ اپنی حجامت سر اور چہرہ کی خود اپنے ہاتھ سے بنواتے۔سیاہی بھی اپنی ہی وضع کی رنگیلی الگ بنوا رکھی تھی، فرماتے تھے کہ میاں انگریزوں کی سیاہی استعمال سے بھی ہمیں وہم ہے کہ کہیں یہ حرام جنس ان میں استعمال نہ کریں نہ سرخی انکے استعمال کرنا نہ سیاہی۔اتنے متشدّد اللہ کے بندے تھے جبھی تو آزادی اتنے قریب آئی۔آپ دینی و دنیاوی مجمع ہستی تھی۔آپ کا خطبہ جمعہ بھی بڑا مسنون ہوتا۔خطبہ اور نماز صرف آدھے گھنٹہ میں ختم ہوتی۔بہر حال فضلِ خدا کہ ایسی مقتدر ہستی سے ہمیں تلامذہ کا شرف حاصل ہوا۔

بنارس سے واپسی:

بفضلہٖ تعالیٰ ماہ شعبان میں درس صحیحین سے فراغت مع سند پا کر چند ماہ محمد یعقوب اینڈ سنز بنارس سلک میوزیم کراچی میں ملازمت کی وطن واپسی پر مالک دکان نے ایک خالص بنارسی ساڑی تحفتاً عطا

کی۔وہاں سے براستہ بمبئی رائیدرگ ہونا پڑا۔دو چار دن ریلوے اسٹیشن سمنٹ چال روڈ بمبئی میں قیام رہااور مومن پورہ مسجد اہل حدیث میں پنج وقتہ نماز اور خطبہ جمعہ ادا ہوتا رہا۔واقعی جماعت بمبئی نے بہت کچھ خدمات دینی و دنیاوی حیثیت سے کی ہیں جو قابل دید ہیں ۔ پھر قیام مولانا رازؔ اور موجودہ مولانا مختار احمد ندویؔ خطیب کے بعد سے پھر ہر حیثیت بہتر اور اچھی بن گئی ہے۔اللّٰھم زد فزد۔

بمبئی سے گھر: سند یافتہ ہونے کے بعد اب اپنے وطن مالوف واپس ہونا پڑا۔الحمدللہ کہ تمام رشتہ دار بخیر و عافیت پایا۔ ساتھ ہی ازدواجی زندگی کی تگ و دو شروع ہوئی جس کے نتیجہ میں حسب سنت ۱۹۴۷ء بزبان قاضی عبدالستار گوندی باولی اپنے ہی گھر میں عمل میں آیا۔عجیب اتفاق کہ نکاح صرف احقر ہی کا تھا مگر شکر خدا کا کہ اس کاروائی میں اپنی ایک پھوپھی زاد بہن جنابہ نور جہاں کا نکاح بھی جناب سید عثمان صاحب متوطن بنگلور و مقیم رائیدرگ سے صرف چند گھنٹوں کے ضروری مشورہ کے بعد ایک ہی ساتھ دونوں نکاح ایک ہی ولیمہ میں آئے۔فللہ الحمد

باب ۳

۱۔ تلاش روزگار ۸۳

۲۔ قیام چتلدرگ ۸۳

۳۔ قیام چلکرہ ۸۴

۴۔شری رنگاپٹن ۸۶

۵۔نواب حیدر علی خاں ۸۷

۶۔ٹیپو سلطان شہیدؒ ۹۳

۷۔چامراج نگر

(محل وقوع) ۱۰۲

۶۔ قیام چامراج نگر ۱۱۲

تلاش روزگار

سفیر جامعہ محمدیہ عربک کالج رائیدرگ:

تعلیم سے فراغت کے بعد جناب سید عباس صاحب مینیجر جامعہ کے مشورہ کے بعد چند ایام کے لئے مدرسہ کا سفیر بن کر ٹیپو سلطان کی سرزمین ریاست میسور پر پہلی مرتبہ قدم رکھا۔ چتلدرگ، داونگیرہ، ہری ہر ہوتے ہوئے، شہر میسور و چامراج نگر کا دورہ برائے تعاونِ جامعہ کیا جو انتہائی کامیاب رہا۔ اس میں قابل ذکر احباب جن سے تعاون کے علاوہ آئیندہ بھی معین رہے وہ تھے جناب سر قاضی سید محی الدین چتلدرگ اور عبدالباسط خانصاحب مدرس مڈل سکول، جناب شیخ احمد صاحب تاجر، شیخ عبداللہ وبخش صاحب لاری اونر اور ہری ہی میں مولانا ادریس وہم عصر مولانا فیض اللہ صاحب ومولوی عبدالغنی ابن بٹگیرہ۔ میسور جناب امیرالدین قریشی صدر جماعت میسور، مولوی میر عبدالرحمٰن قریشی ومیر بشیر احمد قریشی قابل ذکر ہیں۔ چامراج نگر میں جناب محمد آدم صاحب متولی مرحوم مالک آدم بیڑی، جناب محمود خاں صاحب تاجر مرحوم، حاجی محمد ابراہیم، محمد ابراہیم عرف صابجان صاحب۔ گنڈل پیٹ نگرلہ وغیرہ ان تمام مقامات پر خطبہ جمعہ وتقاریر وخطابت کا سلسلہ بہتر طور پر رہا جن میں مرد ونوجوانوں کے علاوہ مستورات بھی شریک رہیں۔

قیام چتلدرگ:

یہاں ۱۹۴۸ء سے تقریباً ۱۹۵۰ء تک قیام رہا۔ بفضلہ تعالیٰ اس موقع پر بڑی ناسپاسی ہوگی اگر احقر جناب محمد قاسم صاحب ملکالمرو جو کہ دادا مرحوم کے بھانجے ہوتے ہیں جن کے تعلیمی مشاغل ودلچسپی کا یہ حال کہ باوجود خود کپڑے اپنے ہاتھ سے بنتے مگر اہلیہ میر معلّمہ داماد معلم، بہو معلّمہ، نواسی معلّمہ، نواسہ داماد کلرک۔ غرض سبھی تعلیم یافتہ طبقہ سے متعلق تھے ایسے وقت میں ملکالمرو مختلف دور میں قیام رہا اور بار بار

ڈی۔او جناب سید احمد صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوکر اسناد کی جانچ پڑتال ہوئی، چونکہ یہ تمام عربی میں تھیں ان کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ ہوا۔

جناب محترم سید احمد، دی ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر نے پہلی بار مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۴۹ء میں عارضی ملازمت عطا کی، جو گورنمنٹ بائس ہائی سکول اور گرلز ہائی سکول چتلدرگ میں بزبان اردو، فارسی، ۱۹۵۰ء تک جاری رہی۔ اس ملازمت کو حاصل کرنے میں یہاں کے مدرس جناب عبدالباسط خان صاحب نے کافی دلچسپی لی۔ اس اثناء میں دنیاوی خدمت کے علاوہ انجمن اتباع اسلام باہر پیٹ میں بھی دینی خدمات ہوتی رہیں۔ اور پھر تقاریر مذہبی اور خطبۂ جمعہ (مکان مسجد) میں بھی ہوتا رہا اور اس میں ہر حیثیت سے جناب شیخ احمد صاحب تاجر کا تعاون بہر حال رہا۔ بفضلہٖ تعالیٰ اسی اثنا میں پروردگار نے پہلی اولاد نرینہ مورخہ قمری ۱۴؍ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ اور شمسی تاریخ بوقت صبح طلوع آفتاب مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۵۰ء عطا کی۔ جنکا نام ابوالوفا محمد صبغتہ اللہ سعید عرف بابو رکھا گیا۔

قیام چلکرہ:

اس طرح بچہ کی ولادت کے ۶؍ماہ بعد پھر میونسپل ہائی سکول میں بسلسۂ ملازمت ۱۲؍نومبر ۱۹۵۰ء تا ۱۰؍نومبر ۱۹۵۳ء تقریباً تین سال میں محکمہ کی اجازت سے مدراس یونیورسٹی (شاخ بلاری) سے اینٹرنس امتحان اورینٹل ٹائیٹل کورس، اردو اور فارسی سبجکٹ، رجسٹر نمبر ۱۳ (مارچ ۱۹۵۲ء) پاس کیا۔ مدراس یونیورسٹی کے اننت پور سنٹر سے ادیب فاضل کے امتحان کیلئے رجسٹرار سے اجازت حاصل کی۔

مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۵۳ء مونسپل کونسل چلکرہ کے جنرل باڈی میٹنگ میں ایک ریزلیوشن (۶) ڈی پی آئی کے ہدایات کے تحت میسور منشی کے امتحان میں بیٹھنے کی اجازت دی گئی۔ اور پوسٹ کے اڈورٹائز کرنے اور قابل امیدوار کے ملنے تک مجھے جاری رکھا گیا۔

یہ دور بھی بڑا آزمائشی گذرا۔ یہاں بھی از اول بہتر حالت تھی یعنی ایک مقامی سیرۃ کا جلسہ اعلیٰ پیمانہ

بزیرِ صدارت سر قاضی سید محی الدین حسینی چتلدرگ انجام پایا۔ جس میں بندہ کا اہم مقام رہا اور باقاعدہ سارے شہر میں اعلان۔ انگریزی، کنڑا اور اردو میں تقاریر رہیں۔ جس کی شہادت مقامی اخبار آزاد اور الکلام میں ہے۔ مقامی حضرات کا کہنا تھا کہ اتنا اعلیٰ پیمانہ کا جلسہ اس عمر میں ہم نے صرف اب دیکھا ہے فللہ الحمد۔ یہاں بھی خطبۂ جمعہ اکثر بندہ ہی دیا کرتا تھا اور یہاں کے مذہبی امور سے اکثر اجتناب رہتا، کیونکہ بعض بڑے اذہان زیادہ تر بدعات سے پُر تھے۔ بعض حضرات سے تکلیف رہی، مگر ان میں اہم لوگ بھی تھے مثلاً سی۔ یس عبدالحکیم میونسپل کونسلر، عبدالستار زمیندار و چمن صاحب وٹیلر پیراں صاحب و متولی یجمان چمن صاحب کلمی والے، داؤد شریف تاجر گڑ قابل ذکر ہیں۔ اور غیر اقوام میں پریذیڈنٹ جے۔ رامپّا اور صُو نائک قابل ذکر ہیں جنکے اثرات سے وہاں کی ملازمت کا سلسلہ تقریباً تین سال تک چلا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے۔ بوقت تہجد یہی دعا رہتی تھی کہ کسی اچھی جگہ دینی و دنیاوی لحاظ سے پہنچا دے۔ چنانچہ چامراجنگر کے آرڈر آنے سے آٹھ دن پہلے ایک خواب رب کی مرضی سے آیا جس کو دیکھ کر از حد مسرت رہی۔ پھر کیا تھا کہ یوم چہارشنبہ میسور سے آرڈر صادر ہوا۔ مورخہ ۱۰/نومبر ۱۹۵۳ء کو چلکرہ سے نکل کر دوسرے دن میسور ۱۱/نومبر ۱۹۵۳ء پہنچا اور ۱۲/کو بروز جمعرات صبح ڈیوٹی پر بفضلہٖ تعالیٰ حاضر ہو گیا اور پھر سروس رجسٹر مورخہ ۱۲/مارچ ۱۹۵۳ء کو کھولا گیا۔

چلکرہ کی ملازمت کے دوران آپ نے جو دعا کی تھی کہ کسی اچھی جگہ دینی و دنیاوی لحاظ سے پہنچا دے۔ اللہ نے قبول فرمایا اور چند دنوں کے بعد آپ یہاں منتقل ہو گئے۔ یہ وہ تاریخی سرزمین ہے جہاں والد صاحب دینی و دنیوی خدمت انجام دینے کے لئے قیام کرنے جا رہے تھے جس کی مختصر تاریخ یہ ہے۔

تاریخی شہر شری رنگا پٹن:

۱۳۹۹ء میں یدورایا نے میسور کی بنیاد ڈالی۔ راجہ وڈیار ۱۵۷۸ تا۱۶۱۲ تک حکمرانی کی چھوٹی ریاست کو بڑی ریاست میں تبدیل کیا، سری رنگا پٹن کو پایہ تخت بنایا۔

سری رنگا پٹن کا محل وقوع:

بنگلور میسور شاہراہ پر واقع تاریخی شہر ہے۔ بنگلور سے ۱۲۶ ر کیلو میٹر اور میسور سے ۱۴ ر کیلو میٹر کے فاصلے پر میسور کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ کاویری ندی کی دو شاخوں کے درمیان میں ایک جزیرہ ہے۔ شہر میسور سے قبل وڈیروں کا یہی پایہ تخت تھا۔ یہ شہر نواب حیدر علی خان بہادر اور ان کے صاحبزادے شیر میسور حضرت ٹیپو سلطان کا پایہ تخت رہا۔ موسم گرما کا محل، دریا دولت باغ ۱۷۸۴ء میں تعمیر کیا گیا۔ یہ ان کی پسندیدہ رہائش گاہ تھی۔ اب اس کو میوزیم بنا دیا گیا ہے۔ اس محل میں نفیس کاریگری اور نقاشی کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں اندرون حصار شہر بسا ہے۔ جس میں مسجد اعلیٰ اور رنگناتھ کا مندر موجود ہے۔ بیرون حصار گنبد شاہی جو حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ، نواب حیدر علی خان بہادر اور ٹیپو کی والدہ فاطمہ بی کی آرامگاہ ہے۔ اس کے آبنوسی دروازے ہاتھی دانت کے نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ شری رنگا پٹن سے ۳ ر کیلو میٹر دوری پر کاویری ندی کی یہ دونوں شاخیں پھر سے مل کر سنگم بناتی ہیں۔ سری رنگا پٹن سے ۴ ر کیلو میٹر اور میسور سے ۱۸ ر کیلو میٹر کی دوری پر رنگن تِٹّو، برڈ سیانچوری ہے یہاں پر سائبیریا کے پرندے چند دنوں کے لئے مہمان بن کر آتے ہیں اور افزائش نسل کے بعد اپنے وطن واپس لوٹ جاتے ہیں۔ ان پرندوں کو بڑے قریب سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ کاویری ندی کے بڑے بڑے مگرمچھوں کو جو دھوپ میں پڑے رہتے ہیں قریب سے دیکھا جا سکتا ہے۔ بڑا پرسکون اور پر فضا منظر دیکھنے کو ملتا ہے بہترین موسم جون تا فروری ہے۔

گنبدشاہی،سلطان ٹیپوشہیدؒ کی آرام گاہ شری رنگاپٹن ضلع منڈیا

نواب حیدرعلی خان بہادر

اس شہر کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ میسور کا راجہ نہایت کمزور تھا اور اسکا وزیر اعظم نندراج اور اس کا بھائی دونوں حکومت پر حاوی ہو گئے تھے۔راجہ اور رانی کا حکم صرف محل میں چلتا تھا۔حیدرعلی کو نندراج نے اپنے سر پرستی میں ان کے جوہر کو دیکھ کر سپہ سالار بنایا۔رانی دیوا جی منی نے دیکھا کہ حیدرعلی کا فوج پر مضبوط قبضہ ہے تو انہوں نے ان کو بلایا اور درخواست کی کہ کیسے بھی ہو نندراج سے چھٹکارا دلائیں،حیدر علی کے لئے یہ نازک مسئلہ تھا راجہ سے نمک حرامی وہ نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی نندراج جیسے محسن کو چھوڑ سکتے تھے جس نے انہیں آج یہ مقام دیا تھا۔حیدرعلی نے حکمت عملی سے نندراج کو سمجھایا۔نندراج انتہائی چالاک تھا حیدرعلی کی مصلحت کو سمجھا اور وزارت عظمیٰ سے سبکدوش ہو کر اپنی ذاتی جاگیر میں جا بسا۔اس

واقعہ کے بعد حیدر سے ناراض ہونے کے بجائے نندراج کو ان سے اور زیادہ محبت ہوگئی اور میسور کا راجہ بھی خوش ہو کر حیدر علی کو "فرزند ار جمند" کا خطاب عطا کیا۔ ایسے وقت میں حیدر علی جبکہ نندراج اور ان کا بھائی میسور کے راجا کو ہٹا کر خود راجہ بننے کی سوچ رہے تھے۔ اگر حیدر علی نہ ہوتے تو میسور کا خاندان کب کا مٹ گیا ہوتا۔ چند دنوں بعد یعنی اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں حیدر آباد آپسی سازشوں کا شکار ہوا، صلابت جنگ کو قید کرلیا گیا بسالت جنگ اور میر نظام علی ریاست کے حکمران بن گئے۔ پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی شکست فاش کے بعد بسالت جنگ صوبہ سرا کو حاصل کرنے کے لئے سرا کی طرف چل پڑا راستہ میں ہسکوٹہ کا محاصرہ کرلیا لیکن فتح کرنے میں کافی تاخیر ہونے سے حیدر علی کی مدد چاہی۔ حیدر علی بسالت جنگ کی کمزوری کو جان گئے تھے کہ ان کی مدد کے بغیر ان سے قلعہ فتح ہونے والا نہیں۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بسالت جنگ سے یہ معاہدہ کیا کہ قلعہ فتح ہونے کے بعد قلعہ موجود سامان وہ لے جائے اور ہوسکوٹہ اور اطراف کا علاقہ انہیں دے دیا جائے۔ بسالت جنگ قلعہ کے محاصرہ سے تنگ آچکا تھا اس نے نہ صرف شرط مان لی بلکہ یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ دلی میں موجود مغلیہ سلطنت سے سرا کی صوبیداری کے لئے سفارش کرے گا۔ چنانچہ حیدر علی نے اپنی فوج کے ساتھ چند ہی دنوں میں ہوسکوٹہ کا قلعہ فتح کرلیا۔ معاہدہ کی رو سے شہنشاہ ہندوستان نے ایک سفیر خاص کے ذریعہ حیدر علی کے نام کی صوبیداری کا فرمان روانہ کیا۔ فرمان کے ساتھ ساتھ ہیرے جواہرات تحفہ تحائف، نقارہ، نشان عطا ہوا۔ پھر کیا تھا سرا کا پورا علاقہ جنوبی ہندوستان کا سب سے بڑا علاقہ حیدر علی کی ماتحتی میں آگیا۔ تمام پالیگاروں نے حیدر علی کو خراج دینا منظور کرلیا اب وہ سری رنگا پٹن کے ملازم نہیں سرا کے نواب تھے اور سری رنگا پٹن جیسی بہت سی ریاستیں ان کے ماتحتی میں تھیں۔ میسور بھی سرا کا باجگدار ہونے کی حیثیت سے حیدر علی کا تابعدار اور ماتحت تھا۔ حیدر کے خلاف کوئی بھی غلط قدم بغاوت تھی۔ میسور کی رانیوں نے پھر سازش کر کے حیدر علی کے پروردہ کھنڈے راؤ کو اپنی طرف ملا لیا اور چاہا کہ جس طرح نندراج کو ہٹایا گیا اسی طرح حیدر علی کو بھی مرہٹوں کی مدد سے ہٹا دیا جائے۔ اس سازش کے تحت پونہ نے اِیسا جی

پنڈت کو اس مہم کے لئے روانہ کیا حیدر علی کو ان ساری باتوں سے لاعلم رکھا گیا۔ مرہٹوں کو بتا دیا گیا تھا کہ حیدر علی کو یا تو قتل کر دیں یا انہیں گرفتار کر لیں۔ کھنڈے راؤ جوان کا سکرٹری رہ چکا تھا اس نے اس بات کا پورا التزام کیا کہ کہیں حیدر علی جانے نہ پائیں۔

حیدر علی کے جان نثاروں نے چپکے سے ان کو سازش کی خبر دے دی۔ حیدر علی نے اپنے چند دوستوں کی ان کے کنبہ کی ذمہ داری دے دی اور راتوں رات فرار ہو گئے۔ عام راستہ سے ہٹ کر قلعہ پر کاویری ندی میں برساتوں کی وجہ طغیانی آئی ہوئی تھی پرواہ کئے بغیر چھلانگ لگا دی اور بنگلور میں ان کا فوجی دستہ موجود تھا جا کر شامل ہو گئے۔ سرنگا پٹن میں صبح جب حیدر علی کی فرار ہونے کی خبر پہنچی تو مرہٹہ اور کھنڈے راؤان کے تعاقب میں نکل پڑے۔ حیدر علی نے اپنے خاص ملازم سید مخدوم کو جنہیں فرانسیسیوں کی مدد کے لئے بھیجا گیا تھا فوراً بلا لیا۔ مرہٹے بھی تعاقب کرتے بنگلور پہنچ گئے۔ حیدر علی اپنی فوج کے ساتھ قلعہ بنگلور سے باہر نکل آئے اور مرہٹوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا، فتح حاصل کی۔ اس جنگ کی خبر جب سری رنگا پٹن پہنچی تو راجہ رانیوں کو بہت صدمہ پہنچا ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ حیدر علی مرہٹوں کی اتنی بڑی فوج کو کچل کر رکھ دیں گے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ میسور کی ریاست جو چند قریوں پر مشتمل تھی اس کا کیا ہو گا۔ مرہٹوں کی شکست کی خبر پھیلی نندراج بھی یہ خبر سن کر ایسا جی کو خط لکھا کہ کھنڈے راؤ غدار ہے جس نے سازش کر کے خود انہیں حکومت سے بھگانے کی کوشش کی، جب نندراج اور حیدر علی کو دھوکہ دے کر رانیوں سے مل سکتا ہے تو کیا ایسا ممکن نہیں کہ ایسا جی کو بھی دھوکہ دے۔ انہوں نے آگے چل کر اپنے خط میں لکھا کہ حیدر علی راجہ کے وفاداروں میں سے ہیں حیدر علی کے بارے میں جو بدگمانی ہے وہ دل سے نکال دیں۔ نندراج کا خط ملتے ہی اس کے ارادے بدل گئے حیدر علی کو خط لکھ کر بتایا کہ بنگلور کی جنگ اور میسور کی رہائش پر جو خرچ آیا ہے وہ مل جائے تو وہ واپس چلا جائے گا۔ حیدر علی نے دانشمندی اسی میں سمجھی کہ مرہٹوں کو صرف خرچ دے کر روانہ کرنا مناسب نہیں بلکہ ان کو دور رکھنے کے لئے کچھ جاگیر بھی دے دی جائے تا کہ وہ فوراً سری رنگا پٹن چھوڑ کر چلے جائیں انہوں نے جنگ کے خرچ کے

علاوہ بارہ محل کا علاقہ بھی دے کر معاہدہ کرلیا اور مرہٹے رانیوں اور راجہ کو بے یارو مددگار چھوڑ کر بارہ محل پر قبضہ کرنے کیلئے نکل پڑے سری رنگا پٹن بے یار و مددگار ہوگیا۔سری رنگا پٹن مرہٹوں سے خالی ہونے کے بعد کھنڈے راؤ اور راجہ اور رانیوں کی حالت ابتر تھی لیکن شاطر رانیوں نے حیدرعلی کو اب نشانہ بناتے ہوئے ایک خط لکھا کہ ریاست کی ترقی اور خوشحالی کے لئے امن کا بہترین انتظام ضروری ہے جس کا فقدان ہے ریاست کبھی بھی ہاتھ سے نکل سکتی ہے، لہذا آپ سری رنگا پٹن تشریف لائیں اور اقتدار سنبھالیں۔حیدرعلی رانیوں کی چال اچھی طرح سمجھتے تھے انہوں نے ایسی شاطر چال چلی کہ کام بھی بن جائے اور بدنامی بھی نہ ہو۔سید مخدوم کی مدد سے سری رنگا پٹن پر چڑھائی کردی۔محل پر گولہ باری جاری رہی تاکہ کھنڈے راؤ کو گرفتار کیا جاسکے۔کھنڈے راؤ غدار رانیوں کی مدد بہت کر چکا تھا اسی لئے پیغام بھیجا کہ کھنڈے راؤ کی جان بخشی کی جائے ۔حیدرعلی نے یہ بات مان لی کھنڈے راؤ کو حیدرعلی کے حوالے کردیا۔حیدرعلی نے اسے لوہے کے پنجرے میں قید کردیا۔ جہاں بھی جاتے پنجرا ساتھ لے جاتے ۔کھنڈے راؤ اپنی موت تک اسی میں بند رہا۔سری رنگا پٹن کو فتح کرنے کے بعد اگر حیدرعلی چاہتے تو سارا محل ڈھا دیتے راجہ کا قتل بھی کرسکتے ۔رانیوں کو قید کرکے لونڈیوں اور باندیوں جیسا سلوک کرسکتے تھے لیکن حیدرعلی نے ایسا نہیں کیا کیوں کہ میسور کی حکومت سے انہیں رغبت تھی الٹا انہوں نے راجہ کی خدمت میں تحفے تحائف اور نذرانے روانہ کئے دربار میں باریابی کی اجازت چاہی ۔یہ حیدر کا اخلاق اور میسور کے راجہ کے لئے ادب تھا۔ورنہ وہ جنوبی ہندوستان کے نواب تھے۔ان کو کیا ضروری تھا کہ سری رنگا پٹن کی چھوٹی سی حکومت جو شہر سری رنگا پٹن کے محل کے اطراف کے چند دیہاتوں تک محدود تھی باریابی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی بلکہ راجہ کو ان کے شایان شان استقبال کے لئے حاضر ہونا چاہیئے تھا لیکن نہیں حیدرعلی نے اپنا فرض ادا کیا۔حیدرعلی اپنے خاص مشیروں سرداروں اور سپاہیوں کے ساتھ راجہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ایک خاص ملاقات میں یہ فیصلہ ہوا کہ برائے نام سری رنگا پٹن کی ریاست حیدرعلی کے حوالے کی جائے۔اس کے بدلے راجہ اور اس کے ساتھیوں کو کچھ جاگیر

صرف کے لئے دیا جائے۔حیدر علی نے راجہ اور رانیوں کے علاوہ اس کے ساتھیوں کی جان بخشی کی اور تین لاکھ روپیوں کی جاگیر عطا کی۔ساتھ میں یہ وعدہ بھی کیا کہ ان کا وقار اسی طرح باقی رکھا جائے گا جس طرح اس حالت کو پہنچنے سے پہلے تھا۔حیدر علی نے اپنی زندگی تک وعدہ نبھایا دسہرہ کی جمبوسواری محل کی تجلی وغیرہ جو آج بھی جاری ہے رہنے دیا اور سلطان کو بھی وصیت کی کہ دسہرے کے موقع پر خود راجہ کے لئے تحفے تحائف لے جاتے رہیں راجہ کے وقار کو دھکا لگنے نہ دیں جس پر سلطان نے اپنی شہادت تک برابر عمل کیا۔

ان تاریخی حقائق کے پیش نظر حیدر علی کو کیا غاصب کہا جا سکتا ہے؟ ہم اپنے ہی ہم وطنوں کو غدار اور متعصب کیوں کہہ رہے ہیں؟ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بنیادی اور ثانوی تعلیم میں جو تاریخ لازمی طور پر پڑھائی جارہی ہے ان کتابوں میں تاریخ کو توڑ مڑوڑ کر ایسا مواد بھر دیا گیا ہے۔ہم اس بات کو اہمیت نہیں دیتے کہ ان کلاسوں میں جو بات ذہن میں بٹھادی جاتی ہے ساری عمر بچہ اسکو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی حیدر علی ، ٹیپو سلطان اور اونگ زیب وغیرہ بادشاہوں کے بارے میں کئی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں ہیں جوانہیں متعصب ذہنوں کی پیداور ہے۔

حیدر علی اگر غاصب ہوتے تو آج میسور کا نام ونشان مٹ جاتا۔میسور کا شہرہ آفاق دسہرہ کی تقریب دیکھنے کو نہ ملتی۔ہمیں تو حیدر علی کا ممنون احسان ہونا چاہیئے کہ انہوں نے اس تاریخ کو زندہ رکھا۔جس کے شواہد ہمیں تاریخ میں ملتی ہیں۔

مشہور ہندو مصنفہ سبیتا دیوی (Sabita Devi) اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں

’’حیدر علی پر سب سے پہلا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ہندو راجہ سے غداری کر کے اس کا ملک چھین لیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا،لیکن اگر تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ الزام بالکل غلط نظر آئے گا حیدر علی کے عروج سے پہلے میسور ایک بہت ہی معمولی ریاست تھی،جس میں صرف ۳۳ گاؤں تھے یہاں کے راجہ پہلے بیجاپور کے مسلمان بادشاہوں کے باجگذار تھے۔اس کے بعد 1687 میں

شہنشاہ اورنگ زیب کے باجگذار ہو گئے ۔ چند سال بعد اورنگ زیب نے میسور کے راجہ چک راج وڈیر کو جگ دیو کا خطاب دے کر نوبت اور نقارہ رکھنے کی اجازت دی ۔ میسور کی جاگیر سرا کے مغل گورنر کے ماتحت تھی ۔ حیدر علی راجہ میسور کی ملازمت میں سپہ سالاری کے عہدے تک پہنچا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد مغل شہنشاہ ہند نے حیدر علی کو سرا کا گورنر مقرر کر دیا اور اسے شاہانہ مراتب اور نقارہ اور نشان معہ خطاب نوابی دربار مغلیہ سے عطا ہوا۔ اس طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حیدر علی اب راجہ میسور کے ماتحت نہ رہا بلکہ راجہ میسور اس کے ماتحت تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے راجہ کی ہمیشہ عزت کی ، باوجود اس کے کہ راجہ میسور 33 گاؤں کا مالک تھا اور حیدر کے زیرنگیں 80,000 (اسّی ہزار) مربع میل ملک تھا لیکن وہ راجہ میسور کو اپنا آقا سمجھتا تھا اور اس کی ہر ممکن خدمت کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہتا تھا۔ اس نے کئی بار میسور کو تباہی سے بچایا لیکن جب راجہ کو غدّار وزیروں نے راجہ بالکل مفلوج کر دیا اور حیدر علی کے خلاف سازش کرنے لگے تو اس نے مجبور ہو کر جاگیر میسور کی لگام خود اپنے ہاتھ میں لی اور راجہ کو ایک باجگذار والی ریاست کی حیثیت سے اپنی نگرانی میں رکھا۔ حیدر علی کے لئے آسان تھا کہ وہ اس طرح جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے ارکاٹ اودھ ، ناگپور اور ستارہ کے شاہی خاندانوں کو بے نشان کر دیا، میسور کے شاہی خاندان کو جلاوطن کر دیتا۔ لیکن نہیں حیدر علی نے راجہ میسور کے اعزاز و مناصب بدستور قائم رکھا۔ دسہرہ کے موقع پر جو دربار ہوتا تھا اس میں حیدر علی اور اس کے لڑکے ٹیپو سلطان کی جانب سے راجہ کی خدمت میں نذریں پیش کی جاتیں تھیں ۔ کیا اس کے بعد بھی حیدر علی کو غدار اور نمک حرام کہا جا سکتا ہے؟'' (سلطنت خداداد ۔ ص ۶۸ تا ۷۰)

اس کے علاوہ تاریخ رولرس آف انڈیا (Rulers of India) کا مصنف ڈی اسول (D.Oswal) نے ص ۱۶۴ ر پر لکھا ہے کہ حیدر علی کے سامنے اس وقت اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ (تاریخ میسورس ۔ خ ۔۱۲۲)

ایک اور کتاب ہسٹری آف انڈیا (History of India) کا مصنف تھامسن (Thomson)

ص ۲۶۹ پر لکھتا ہے کہ حیدر کا یہ قدم بالکل حق بہ جانب تھا کہ اس نے میسور کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا ورنہ راجہ اور سازش کرتا جس سے حیدر علی اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ (تاریخ میسور س۔ خ۔ ص ۱۲۳)

ہسٹری آف حیدر (History of Hyder) کا مصنف بوٗرنگ (Bowring) اپنی تاریخ میں اعتراف کرتا ہے کہ ''اگر کھنڈے راؤ جو حیدر علی کی خاص عنایت سے وزیر بنا دیا گیا تھا، حیدر علی سے غداری نہ کرتا اور راجہ اور اس کی رانیوں کو نہ اکساتا تو حیدر علی پر جان لیوا حملہ نہیں ہوسکتا تھا۔ حیدر علی کو بہت ستایا تھا، بہت تکلیف دی تھی اور اس وجہ سے حیدر علی نے مجبور ہو کر میسور کے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔'' پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ ''جب حیدر علی کو حکومت مغلیہ کی طرف سے سرا کا نظام اور ہیڈ آف سٹیٹ کا اختیار دے دیا تھا تو خود بخود ریاست میسور سرا کے زیر انتظام آ گئی تھی اور سرا کی حکومت کی ریاست میسور باجگذار بھی تھی۔'' (تاریخ میسور س۔ خ۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴)

حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ

یکم محرم کو حیدر علی کی وفات ہوگئی۔ وفات کی خبر کو راز میں رکھا گیا۔ ۳ر محرم کو سلطان سرنگا پٹن میں داخل ہوئے۔ حکمرانی عملاً اسی دن سے شروع ہوگئی تھی۔ اس کا اعلان رسماً ۲۰ر محرم ۱۱۹۶ھ یکشنبہ میں ہوا اور ٹیپو سلطان کی تاجپوشی عمل میں آئی۔ سلطان نے اس مسلک پر حکومت کی کہ سلطان سلطنت کے لئے ہے نہ کہ سلطنت سلطان کے لئے۔ اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے درج ذیل خدمات کی ضرورت تھی۔

۱۔ رعایا کی اخلاقی، اقتصادی تجارتی وسیاسی اصلاح

۲۔ ممالک مفتوحہ کی اندرونی حفاظت

۳۔ اپنے ہم مذہب باشندوں کی اصلاح

۴۔انگریز جو ہندوستان پر چھائے جارہے تھے ان کے استیصال اوراس مقصد کے لئے ساکنان ہند کو متحد کرنے کی جدوجہد

۵۔حریت،عدالت اور مساوات کی خاطر ملک میں بسنے والوں کو جاگیرداروں،زمینداروں،سرمایہ داروں،پالیگاروں اور رجواڑوں کے چنگل سے بتدریج آزاد کرانا اور ملک میں ایک لاطبقاتی سماج قائم کر کے اس کو جمہوری حکومت کی طرف آگے بڑھانا

٦۔ ہندوستان کے مختلف مذہب کے پیرو جو اپنے اپنے مذہب کی تعلیمات سے بھٹک کر کہیں عصبیت اور کہیں لا مذہبیت کا شکار ہورہے ہیں ان میں سے عصبیت کو دور کرنا اور ان میں خدا پرستی پھیلانے کی کوشش کرنا۔

۷۔ملک کے دفاع کو مضبوط اور پائیدار بنانے کے لئے دیگر اقوام مشرق سے مدد لینا۔اغیار کی تجارتی اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ سے ملک کو بچانا۔پردیسی مال کی برآمد کو روکنا اور دیسی مصنوعات اور ملکی تجارت کو فروغ دینا۔

یہ تھے وہ فرائض جو سلطنت سونپے جانے کے دن سلطان کے روبرو تھے۔ان کی ادائیگی کے لئے سلطان نے مختصر سے ۱۷ر سالہ دور میں وہ سب کچھ کیا جو ایک سلطان کو کرنا چاہئے تھا۔

سلطنت خداداد کی مملکت میں وہ کونسے طبقے تھے جو اس سلطنت سے ناراض تھے اور اس کو ختم کرنے کے درپے تھے۔

۱۔سلطان نے اپنی مملکت کی تمام ریاستوں کو ختم کر کے ایک ریاست کو باقی رکھا جس کا پائے تخت شرنگاپٹم تھا۔اگرچہ کہ اس ریاست کے تمام حقوق برقرار تھے لیکن اقتدار و انتظام ان سے چھین لیا گیا تھا۔

۲۔وہ تمام نواب اور رجواڑے جن کی ریاستیں ملک کے مفاد کے پیش نظر ختم کردی گئی تھیں ان کے مالک کچھ تو مملکت کے باہر مدراس،حیدرآباد وغیرہ میں تھے تو ان کے رشتہ دار اور متعلقین حدود سلطنت

کے اندر ہی تھے۔

۳۔وہ تمام زمیندار جن کی زمینداریاں ختم کردی گئی تھیں اپنی سابقہ حالت کو پانے کے لئے بے قرار تھیں۔

۴۔ان پالیگاروں کا جم غفیر جن کی فرعونیت کے سارے ساز و سامان فنا ہو چکے تھے اندر ہی اندر آسمان پر آنکھیں لگائے بیٹھے تھے۔

۵۔وہ شرابی ،زانی اور وہ تمام مجرمانہ خصلتوں کے مالک جن کو حکومت خداداد کے قانون نے ان کی مرغوب ترین خصلتوں سے محروم کردیا گیا تھا ماہئی بے آب کی طرح لوٹ رہے تھے۔

۶۔وہ ناموس فروش جو عفت مآب عورتوں کو ان کے فلاکت زدہ ورثاء سے کوڑیوں کے مول خرید کر عصمت فروشی کی منڈیوں میں ''سمایا چار'' کے نام سے عورتوں کو بیچتے تھے،اپنی اپنی روزیوں سے محروم تھے۔

۷۔وہ قصائی کے دل والے ٹھیکے دار جو انگریزوں کے ہاتھوں ملکی مال برآمد کر کے گل چھرے اڑا رہے تھے،اپنی آمدنیوں سے محروم تھے۔ بڑی بڑی تجارتوں کو قومیانے کی سلطان کی سکیم کی روز افزوں ترقی کو دیکھتے ہوئے وہ دوبدن مایوس ہوتے جاتے تھے۔

۸۔ان کے علاوہ وہ تمام مجرمانہ ذہنیت و عادت کے مالک افراد جو حکومتوں اور فوجوں میں سرکار دربار میں اس زمانے میں عموماً اس لئے شریک ہوتے تھے کہ ان کو عفت مآب دیویوں کی عصمت لوٹنے اور غرباء کے خون سے ہولی کھیلنے کا موقع ملے گا۔سلطنت خداداد کے قوانین وضوابط کی سختی کے ماتحت اپنے مناصب اور عہدوں میں کوئی جاذبیت اور کوئی دلکشی نہیں دیکھتے تھے۔

۹۔سلطان پر جس طرح حکمران ہونے حیثیت سے رعایا سے متعلق فرائض عائد تھے اس طرح ایک مسلمان ہونے کے ناطے اپنی ہم مذہب رعایا کی اصلاح کے فرائض بھی عائد تھے اس سلسلے میں سلطان اپنے بعض اقدامات کے ذریعے مسلمانوں کے جن گروہوں کو ناراض کرنے پر مجبور تھا ان میں سے ایک

گروہ اہل بدعت کا تھا۔

۱۰۔ کچھ فرقہ پرست مسلمان ایسے تھے جو ان مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے خواہشمند تھے جس کی سلطان کی مساوات والی پالیسی میں جگہ نہ تھی۔

ٹیپو سلطان کی ان اصلاحات کی وجہ سے مملکت میں خوش حالی کا دور دورہ رہا۔ مورخ سنکلیر اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے کہ ''جس وقت انگریزی فوجیں ٹیپو سلطان کے ملک میں داخل ہوئیں تمام رعیت ہندو مسلمان نہایت خوش حال ہیں۔ تمام ملک سرسبز ہے۔ زراعت اچھی ہو رہی ہے۔ کل رعیت سلطان کے نام پر فدا ہو رہی ہے۔ آخری جنگ میں جس وقت انگریزی فوج سرنگا پٹن میں داخل ہوئی تو رعایا نے اپنی دولت انگریزوں کے سامنے لاکر رکھ دی کہ وہ سلطنت کو ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان اپنی رعایا میں کتنے ہر دلعزیز تھے۔

کیپٹن لٹل لکھتا ہے۔ جب ہم ٹیپو کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوتے جا رہے ہیں۔ رعایا اپنے اپنے کاموں میں مصروف منہمک ہے زمین کا کوئی حصہ بھی بنجر نہیں ہے۔ قابل کاشت زمین جس قدر بھی مل سکتی ہے اس پر کھیتیاں لہرا رہی ہیں ایک انچ زمین بھی بے کار نہیں ہے

لیکن انگریز کو اس بات کی فکر لاحق تھی کہ اگر ٹیپو سلطان کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے تو ہندوستان میں کبھی وہ پنپ نہیں سکے گا۔ ایک تو وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور دوسرا اصلاحات کے باعث ملک کو خوشحالی کی طرف لے جا رہے تھے جس سے انگریزوں کو اس ملک کے استحصال میں رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔

وہ جانتے تھے کہ اتحادی فوجوں کے ساتھ بھی وہ ٹیپو سلطان کو نہیں جیت سکتے جس کے لئے انہوں نے شروع دن سے ہی ٹیپو سلطان کے خلاف سازشوں کا جال بننا شروع کیا جس سے میسور کو اور دو جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سلطان کے دور میں **میسور کی تیسری جنگ** ہوئی جس میں سازشوں کے باعث سلطان کو مجبوراً صلح کرنی پڑی اور سلطنت کا آدھا حصہ اتحادیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ جنگی اخراجات کی

ادائیگی تک اپنے دو بیٹوں کو انگریزوں کے پاس رہن رکھنا پڑا۔شرائط صلح کی رو سے بارہ محل، سیلم،انوراگری،سنگل درگ، دنڈیگل اور کالی کٹ انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔دریائے تنگ بھدرا سے شمالی جانب کا تمام ملک مرہٹوں کو ملا اور حیدرآباد کی قسمت میں تاڑ پتری، پامری بلاری وغیرہ آئے۔

مورخ باسولکھتا ہے کہ ''یہ موجودہ حکمران خاندان میسور کی خوش قسمتی تھی کہ سرنگا پٹم اس وقت فتح نہیں ہوا اور نہ کارنوالس اتنی بھی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ملک کس کو دیا جائے۔ایک اور ہندو مورخ لکھتا ہے کہ سلطنت خداداد کا اسی وقت کارنوالس کے ہاتھوں خاتمہ ہوجاتا مگر جس شخص نے اس کو بچالیا وہ نانا فرنویس پیشوائے پونا کا وزیراعظم تھا اس محبّ الوطن کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ کس طرح انگریز ملک پر حاوی ہورہا ہے۔

جس وقت اس عہد نامہ کی خبر انگلستان پہنچی تو ایک جمہوریت پرست سامراج دشمن نے انگریزی پارلیمنٹ میں کہا'' کارنوالس نے لٹیروں کا جتھا تیار کر رکھا ہے وہ حق داروں کا حق چھین رہا ہے۔مگر پارلیمنٹ پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس کارنوالس کو''مارکوئس'' کا خطاب دیا گیا۔

سلطان نے اس جنگ کے بعد پورے انہاک اور استغراق سے ملک کی حالت درست اور مضبوط بنانا شروع کیا اس وقت لارڈ ولزلی ہندوستان کا گورنر جنرل بن کر آرہا تھا۔ولزلی کا انتخاب مسٹر ولیم ریٹ وزیراعظم انگلستان نے اس مقصد سے کیا تھا کہ ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہوجائے۔ یہاں پہنچنے کے بعد یہاں اسے تین طاقتیں نظر آئیں مرہٹے،حیدرآباد اور سلطنت خداداد۔ وہ اپنے راستے میں رکاوٹ صرف سلطنت خداداد کو سمجھتا تھا۔سب سے پہلے اس نے حیدرآباد کے ساتھ ۱۷۹۸ء میں سبسیڈ یاری صلح کر لی جس سے حیدرآباد کی آزادی ختم ہوگئی۔پھر اس نے مرہٹوں کی طرف توجہ مبذول کی پونا کا دربار آپس کے اختلافوں اور سازشوں میں گھرا تھا لیکن دولت راؤ سندھیا کی طاقتور فوج پونا میں تھی جو ولزلی کے لئے خطرہ تھی اس لئے ناگپور کے راجہ سے معاہدہ کرلیا یہاں بھی اس نے سازش کی اور اسے گوالیار جانے پر مجبور کر دیا۔

میسور کی چوتھی جنگ: یہ سارا انتظام مکمل کرنے کے بعد انگریزی فوجیں حیدر آباد کی فوجوں کے ساتھ خفیہ طور پر سلطنت خداداد کی طرف بڑھنے لگا سازشیوں کا جال بچھا ہوا تھا چند جگھوں پر سلطان کے وفاداروں نے مزاحمت بھی کی لیکن سازشیوں کے باعث انگریزوں کا لشکر سرنگا پٹن پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ سرنگا پٹم میں سلطان دوہرے نرغے میں تھے۔ باہر سے حیدر آبادی اور انگریزی فوجیں گھیری ہوئی تھیں تو دوسری طرف اندرونی طور پر سازشیوں کے نرغے میں تھے جس کا مرکز سری رنگا کا مندر تھا۔ ایسے میں انگریزوں سے صلح کی شرائط آئیں جن میں ساحل سمندر کے علاقوں کی حوالگی، فرانسیسیوں کی برطرفی اور باجگذاری کا مسئلہ تھا۔ سلطان چاہتے تو ان کو قبول کر کے سلطنت کو بچا سکتے تھے لیکن سلطان نے فیصلہ کیا کہ وہ جان دے گا آن نہیں دے گا۔

کرنل بٹسن جو اس جنگ میں شریک تھا لکھتا ہے کہ محاصرہ کے آخری چودہ دن سلطان نے واٹر گیٹ کے پاس گذارے۔

۴ مئی ۱۷۹۹ کو دوپہر کے وقت سلطان طلب کیا۔ ایک لقمہ کھا چکے تھے دوسرا لقمہ اٹھایا ہی تھا کہ کسی نے خبر دی کہ سید غفار توپ کے گولے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گئے۔ سید غفار واقع سید تھا جس نے آج سے چھ سال قبل سلطان کے دستر خوان پر عہد کیا تھا کہ وہ جان دیں گے آن نہ دیں گے۔ سید غفار کی شہادت کی خبر کو سن کر سلطان نے فرمایا کہ ''اب ہم بھی آفتاب لب بام ہیں'' یہ کہہ کر سلطان نے تلوار پر تلے میں ڈالی اور اپنی دونالی بندوق ہاتھ میں لی اور اس طرف روانہ ہوئے جس طرف سے دشمن کی فوج قلعہ میں داخل ہو رہی تھی۔ انگریزی فوج سے مقابلہ ہو گیا سلطان اپنے جان نثاروں کے ساتھ ہر طرف سے محصور ہو گئے۔ اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ سلطان کے ایک افسر نے کہا کہ حضرت اپنے آپ کو ظاہر کر دیجئے۔ سلطان نے پلٹ کر جواب دیا'' گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے''۔ اس گھمسان جنگ میں ناگاہ ایک گولی سلطان کے گھوڑے پر لگی جس سے گھوڑا وہیں گر گیا۔

درمیان کارزار کفر و دیں

ترکشِ ماراخدنگ آخریں

سلطان پا پیادہ ہو کر لڑنے لگے۔سلطان کا اس طرف موجود ہونا معلوم ہو چکا تھا اس لئے تمام انگریزی فوج کی پوری طاقت مصروف کارزار تھی۔سلطان ایسی جگہ میں محصور تھے جو قلعے کی دوفصیلوں کے درمیان ہے۔دست بدست لڑائی میں سلطان کے دل کے قریب ایک گولی لگی جس سے وہ زخمی ہو کر گر پڑے۔اس ہنگامہ میں کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ایک ایک کر کے اپنے آقا پر نثار ہو گئے۔زخمی اور مرنے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ سلطان کس جگہ ہیں اور ان پر کیا گذری کیونکہ بارہ ہزار جان نثار جن میں بہت سی عورتیں شامل تھیں اپنی شمع آرزو کے گرد مثل پروانوں کے فدا ہو چکے تھے اور یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ شہید حریت کی روح کب اپنے قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے رب سے جا ملی۔

آخری ہچکی نے دی اللہ اکبر کی صدا نزع کے لمحات میں بھی تو نے کی باطل سے جنگ

تو نے کی تجدید پیمان شہید کربلا تو نے بتلایا حفاظت جان کی ہے عذر لنگ

میسور کی چوتھی جنگ میں سلطان نے اپنے ملک کا دفاع کرتے ہوئے میدان جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا اور غلامی پر موت کو ترجیح دی۔ہندوستان کی تاریخ میں صرف ایک ہی ایسا بادشاہ گذرا ہے جس نے میدان جنگ میں دشمنوں سے لڑتا ہوا شہید ہوا ہو۔دوسرے دن صبح سلطان کا آخری دیدار دکھا کر تجہیز و تکفین کا انتظام کیا گیا۔جنازہ نہایت احترام و احتشام کے ساتھ ۲۸/ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ بوقت ظہر قلعہ سے روانہ ہوا۔تمام شہزادے،سردار،عہدہ دار شریک تھے۔انگریزی فوج کی چار کمپنیاں پیچھے پیچھے ساتھ تھیں راستے میں جس جس گلی کوچہ سے سلطان کا جنازہ گذرا وہاں ہندو،مسلمان،مرد،عورت، بچے بوڑھے جمع تھے ان کی صدائے نوحہ و ماتم سے ایک قیامت برپا تھی۔اسی عالم میں جنازہ لال باغ تک پہنچا۔جنازہ مقبرہ کے عین روبرو پہنچا۔بیانڈ کا بجنا تھم گیا۔جنازے کے آگے چار کمپنیاں جو جلو میں تھیں دورویہ صف باندھ کر کھڑی ہو گئیں جنازہ ان کے درمیان سے مقبرہ میں لے جایا جائے اس کو

آہستہ آہستہ لا کر اتارا گیا لوگ قطاریں باندھ کر کھڑے ہو گئے خطیب نے گرجدار آواز میں نماز جنازہ اللہ اکبر کے ساتھ شروع کی تو معلوم ہوا کہ آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر رہا ہے۔ ہیبت ناک کڑا کے کے ساتھ ایک روشنی سے سب کی آنکھیں بند ہو گئیں ایک زبردست گرج نے دلوں کو دہلا دیا۔ نماز ختم ہوئی لاش اس کی آخری آرام گاہ میں رکھی گئی، پھر ایک بجلی چمکی اور ایک کڑک ہوئی لوگوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ قبر کے ارد گرد فوج کو حکم دیا گیا کہ آخری سلامی اتار دیں ادھر بندوقیں چھٹیں ادھر آسمان سے ہزار ہا توپیں چھوٹنا شروع ہو گئیں جن کی آواز میں یہ آواز دب کر رہ گئی۔

سلطان کی شہادت کے بعد شرنگا پٹم پر قہر الٰہی ٹوٹ پڑا ہر جگہ لوٹ مار قتل و غارتگری ہو رہی تھی۔ کوئی گھر اور مکان محفوظ نہیں تھا یہاں تک کہ مسجد اعلی میں پناہ گزین لوگوں کو جن کی تعداد چار ہزار تھی سب کو قتل کر دیا گیا۔ مسجد کے در و دیوار خون میں رنگے ہوئے تھے۔ لوٹ مار کا سلسلہ کرنے والے انگریز سپاہی تھے۔

سلطنت کے حصے بخرے:

۱) کل اضلاع کرناٹک انگریزوں کے قبضے میں چلے گئے۔ ۲۔ اننت پور، کڑپہ کرنول، بلاری کے اضلاع سر دست نظام کو دئے گئے جو بعد میں لے لئے گئے۔ تنگبھدرا سے شمال میں جتنا ملک تھا وہ انگریزوں نے یہ کہہ کر اپنے قبضہ میں کر لیا کہ یہ مرہٹوں کے لئے ہے لیکن وہ مرہٹوں کو نہیں دیا گیا۔ پرانی ہندو ریاست جس کا انتظام سلطنت خداداد نے اپنے ذمہ رکھا تھا اس کا بڑا حصہ ان خدمات کے صلے میں جو اس نے سازش میں انجام دی تھیں اس شرائط پر حوالے کیا گیا کہ اس کی نگرانی ریذیڈنٹ کرے گا۔ سات لاکھ پگوڈا سالانہ خراج ادا کیا جائے گا۔ پورنیا جو اس سازش کا عملی روح رواں تھا دیوان مقرر کیا گیا۔ اس (ایک نئی ریاست کو وجود میں لانے اور میسور کے راجاؤں کے قدیم خاندان کو بحال کرنے کی کا کاروائی کسی خیر خواہی کے ارادوں پر مبنی نہیں تھی بلکہ یہ اس غداری کا انعام تھا جو میسور کے حکمران

خاندان کے افراد نے انگریزوں کو مدد دیتے ہوئے ٹیپو سے کی تھی (رائز آف دی کرسچین، ماڈرن انڈیا صفحہ ۳۳۴) اس کے شکریہ میں ہندو راج کی رانیوں نے ذیل کی تحریر انگریزوں کی بارگاہ میں پیش کی ''..........جب تک سورج اور چاند تاباں ہیں، ہم کبھی آپ کی گورنمنٹ کے خلاف نہ کریں گے۔ہم ہمیشہ اپنے آپ کو آپ کے زیر سایہ اور آپ کے تابعدار سمجھیں گے۔آپ نے ہمارا نام قائم کیا۔یہ بات ہمارے خاندان میں پشت ہا پشت تک یاد رہے گی ہماری اولاد آپ کی گورنمنٹ سے اظہار حسن عقیدت کو کبھی فراموش نہ کرے گی اسی کی امداد پر ہمارا بھروسہ رہے گا۔

شرح دستخط

۱) لچھمی امّنّی ۲) دیواجی امّنی۔

جب زوال سلطنت خداداد کی خبر انگلستان پہنچی تو وہاں کے لوگوں کی خوشی کی حد نہیں رہی ولزلی جواب تک ارل تھا ''ما کوئس'' کا شاندار خطاب دیا گیا۔جنرل ہارس جو ایک غریب پادری کالڑکا تھا ''لارڈ ہارس آف سرنگا پٹم'' کا خطاب ملا انگریزی فوج کے ہر سپاہی کو انعامات کے علاوہ تمغہ دئے گئے اس ایک جانب سرنگا پٹم ۱۷۹۹ء ثبت تھا دوسری جانب کاویری میں سنٹ جارج گھوڑے پر سوار ہوکر ایک شیر کو نیزہ مار رہا ہے۔

شیر اچھا ہے جسے مہلت یک روزہ ملی؟ یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود؟

(بحوالہ سلطانیء جمہور۔۔ازیم ویلوّری سابق یم یل سی ۶/جون ۱۹۶۱)

۱۷۹۹ء میں پورنیا اور میر صادق جیسے بد بخت غداروں کی شرمناک سازشوں کا نتیجہ حضرت ٹیپو سلطان شہید کر دئے گئے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطنت خداداد غداروں کے باعث زوال پذیر ہوئی جن میں بہت سے نام گنائے جا سکتے ہیں ان میں خصوصاً میر صادق کا نام سرفہرست آتا ہے۔ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ نے انہیں غداروں کے متعلق جاوید نامہ میں ذکر کیا ہے۔

ننگ ملت ننگ دیں ننگ وطن جعفر از بنگال صادق از دکن

بنگال کے بادشاہ اوراس کی سلطنت کو میر جعفر نے ختم کیا تھا اور میر صادق نے ٹیپو کی سلطنت اور خود ٹیپو سلطان کی شہادت کا باعث بنا۔

ایک ماہر سیاست دان کا مقولہ ہے کہ ''اگر سراج الدولہ کی سلطنت لینی ہو تو میر جعفر کو پیدا کرو، اگر ٹیپو سلطان سے لڑنا ہے تو پورنیا و میر صادق کی روٹی اپنے ہاتھ میں رکھو پھر دیکھو کہ ہندوستان کی قومیں آپس میں لڑتے ہوئے کس طرح تمہارے غلام بنے ہوئے رہتے ہیں''۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس مقولہ پر پورا پورا عمل کیا میر جعفر، پورنیا اور میر صادق خوش قسمتی سے پیدا ہوئے۔ حیدر علی نے ایک آزاد سلطنت قائم کی، بیٹے نے شجاعت بہادری، نگاہ دور رس اور اولوالعزمی سے تمام ہندوستان کو آزاد بنانا چاہا۔ وہ حق وصداقت آزادی وشجاعت کا بے مثل نمونہ بن کر آئے کہ مسلمان اور ہندوستان اس سے سبق سیکھیں'' (س۔ خ۔ ص ۶۱۳) اقوام ہند میں باہمی نفاق تھا، جس کے باعث ہندوستان انگریزوں کے تسلط میں چلا گیا۔

چامراج نگر

ریاست کرناٹکا کے جنوب میں میسور سے ۶۵ کیلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مشرقی گھاٹ کا پہاڑی سلسلہ ہے۔ اس پر گھنے جنگلات ہیں۔ اسی سلسلہ کوہ میں ملے مہادیشور مندر اور بلگری رنگا مندر (جب ٹیپو سلطان شکار کے سلسلے میں یہاں آئے تھے تب انہوں نے یہاں کے بت کو بلگری رنگا کا نام دیا تھا۔ روایت ہے کہ اس مندر میں ایک بزرگ بال رنگیلے شاہ کا مزار ہے۔ اس کے سامنے مندر والوں نے بت نصب کر کے اس کا نام بلگری رنگا رکھ لیا ہے۔ واللہ اعلم) پائے جاتے ہیں جو ہندوؤں کے مقدس منادر ہیں یہاں سال میں ایک مرتبہ مختلف تہواروں کے موقع پر ہزاروں کی تعداد میں لوگ شرکت کرتے ہیں۔ بلگری رنگا وائلڈ لائف سینچری میں بہت سے گھنے سایہ دار چمپا کے درخت موجود ہیں۔ ان میں کاویری ندی کی معاون ندی، بھارگوی ندی کے مشرقی کنارے پر ۶۰۰ سال قدیم دوڈّ

سمپگے نامی درخت موجود ہے، جس کا تنا ۲۰ میٹر ہے جس کے اطراف ۱۰۰ لنگ ہیں اور اس کی اونچائی تقریباً ۴۳ میٹر ہے اپریل کے مہینے میں اس درخت میں دونوں قسم کے چمپے کے پھول یعنی زرد مائل اور سرخی مائل چمپا ہوتا ہے۔ یہ درخت سولیگا قبائل کے ہر طبقہ کے لئے بہت مقدس ہے۔ شیوراتری کے دن اس کی خاص پوجا ہوتی ہے۔ اسی جگہ ۹۷ قسم لکڑی پائی جاتی ہے۔ یہاں پر مختلف قسم کے ادویاتی پودے پائے جاتے ہیں۔ سولیگا لوگ اسی جنگل میں پائے جانے والی جڑی بوٹیوں سے ۳۰۰ بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ اس گھنے جنگل میں مختلف قسم کے بے شمار جنگلی جانور پائے جاتے ہیں۔

مشرقی گھاٹ کے دامن میں یہ شہر بسا ہے۔ یہ شہر، 'اریکوٹرا' 'اریکووٹرا' اور 'وڈیرا وورو' کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ ۱۶۰۰ء کے آخر تک چامراج نگر چالوکیہ، ہویسلہ اور وجیانگر کے حکمرانوں کے ماتحت رہا۔ راجاؤں کے زوال کے بعد پالیگاروں کے قبضہ میں آ گیا۔ پانچواں پالیگار بالوجی نائکا کے دور میں چامراج وڈیر پنجم نے اسے شکست دے کر اس گاؤں کو اپنی حدود میں شامل کرلیا۔ پالیگاروں کا دور یہاں ختم ہو جاتا ہے۔

چامراج وڈیر ہفتم لاولد تھا، نااہل اور کمزور راجا تھا اس کے دور میں بیرونی حملہ آوروں نے سر اٹھانا شروع کیا اور ریاست میسور پر چڑھائی کردی۔ حیدر علی خاں اس وقت میسوری فوج کے سپہ سالار تھے جنھوں نے پالیگاروں کو شکست دی اور حسن تدبر سے ریاست میسور کو ایک طاقتور حکومت بنایا۔ چامراج وڈیر ہفتم کی لاولدی سے وڈیر خاندان کی تخت نشینی کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ محل کی رانیوں نے اس سنگین مسئلہ کو حیدر علی کے سامنے پیش کر کے ارسو خاندان کے کسی لڑکے کو گود لینے کا خیال ظاہر کیا، کیونکہ نجومیوں نے رانیوں کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ایک مخصوص دن جتنے بھی لڑکے ارسو ذات میں پیدا ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کو لے پالک بیٹا بنایا جا سکتا ہے۔ حیدر علی خاں نے مسئلہ یوں حل کیا کہ ارسو ذات کے تمام لڑکوں کو سرینگا پٹن میں جمع کیا جو اس مخصوص تاریخ میں پیدا ہوئے تھے، آپ نے اپنی ذہانت سے ایک ایسے لڑکے کا انتخاب کیا جو بہ ظاہر تمام لڑکوں سے چست و چالاک تھا۔ وہ لڑکا ارسو ذات کے دیوراج

ارس کے گھر 'اری کٹارا' نامی گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ یہ خاندان ابھی تک اسی گاؤں میں مقیم ہے۔ چنانچہ اس لڑکے کو وڈیر خاندان کا لے پالک تسلیم کرلیا گیا اور وہی تخت کا وارث ٹھہرا۔۱۷۷۴ء میں وہ چامراج وڈیر نہم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ اس وقت ٹیپو سلطان حکمران تھے۔۱۷۹۶ء میں وفات پائی تو اس کا بیٹا ممڈی کرشنا راج وڈیر سوم میسور کا راجا بنا۔ اس نے ۱۸۶۸ء تک حکومت کی اس کے باپ کی پیدائش کی جگہ اری کٹارا تھی لہذا اس نے ۱۸۱۸ء میں اس کا نام تبدیل کر کے چامراج نگر رکھا جو اس کے باپ کے نام سے مناسبت رکھتا تھا۔ اس کی جائے ولادت پر ایک سنگین عمارت تعمیر کروایا جو جننا منڈپ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ آثار قدیمہ میں شامل ہے۔۱۸۲۶ء میں کرشنا راج وڈیر سوم نے یہاں چامراجیشور مندر تعمیر کروایا۔ شہر کی تجدید کی گئی۔ مندر کی آمدنی کے لئے کئی دیہات وقف کئے۔ آزادی کے بعد یہ منسوخ کر دئے گئے۔ اب مندر کا انتظام مزراعہ شعبہ کے تحت آ گیا ہے۔ آساڑھ کے مہینے میں پونم کے دن یہاں میلہ لگتا ہے جس میں اطراف واکناف کے لوگ جمع ہو کر رتھ کھینچتے ہیں۔ ریاست کرناٹکا کا آخری ریلوے سٹیشن ہے۔ جس کا افتتاح ۱۹۲۶ء میں مہاراجہ شری کرشنا راج وڈیر نے کیا۔ ریل کی آمد ورفت سے نقل و حمل کی سہولت ہوئی اور یہ شہر تجاری مرکز بن گیا۔ اکثر تاجر اور سیاح روزانہ آتے رہتے ہیں۔

چامراج نگر بنیادی طور پر زرعی علاقہ ہے۔ یہاں کی تقریباً ۸۶٪ آبادی کا انحصار زراعت پر ہے۔ جس میں اہم فصل دھان، راگی، گنا وغیرہ ہے۔ کھیتوں میں زیادہ تر دال دانوں کے علاوہ اہم ریشم کی کاشت کی جاتی ہے۔ یہاں کا ریشم دنیا بھر میں مشہور ہے۔

چامراجنگر تعلقہ کے مشرق میں کولیگال اور یلندور تعلقہ، مغرب میں گنڈل پیٹ اور ننجن گڈھ تعلقہ، شمال میں ٹی نرسی پور اور جنوب میں ٹمل ناڈو کی ریاست ہے۔ مورخہ ۸ جنوری ۲۰۱۳ء کی رپورٹ کے مطابق اس تعلقہ کے پانچ ہوبلیاں ہیں ۱) چامراجنگر ۲) ہردنلی ۳) سنتے مرہلی ۴) ہروے ہوبلی ۵) چندکواڑی ہوبلی۔ ان میں ۴۲ گرام پنچایت ہیں، کل قریہ جات ایک سو اٹھاسّی (۱۸۸) ان میں ۱۲۵ قریہ آباد ہیں ۱۳ قریہ جات غیر آباد ہیں اس تعلقہ کا کل رقبہ ۱,۲۲۶.۶۷ مربع کیلومیٹر ہے۔ یہاں کی کل آبادی

۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۳,۵۸,۰۸۴ لوگوں پر مشتمل تھی۔اب آبادی بڑھ گئی ہے۔ان میں مسلمانوں کی تعداد ۱۶،۵۹۱ جو تعلقہ کی کل آبادی کا ۴.۹۱٪ (فیصد) ہے۔ان میں مردوں کی شرح خواندگی ۸.۱۱٪۷ اور خواتین کی شرح خواندگی ۲.۰۲٪۷ ہے۔

ہندوستانی آزادی کے جشن طلائی مورخہ ۱۵/اگست ۱۹۹۷ء کا تحفہ کہ چامراجنگر کو ضلع بنایا گیا۔جس کا جشن افتتاح اس وقت کے وزیر اعلی جے۔ایچ پٹیل نے ملے مہادیشور پہاڑ پر کیا تھا۔چامراجنگر کی ڈی،سی آفس کا افتتاح اس وقت کے نائب وزیر اعلیٰ جناب سدرامیا نے آنجہانی بی۔راچیا سابق گورنر کیرلا کی صدارت میں کیا تھا۔چامراجنگر کو ضلع بنانے کی جدو جہد سابق یم یل اے واٹال ناگراج نے کی تھی جو روبہ عمل آئی۔یہ سطح سمندر سے ۲۲.۲۱ ۷ (میٹرس) بلند ہے۔طول بلد کم از کم ''۹ '۴۴ '۳۴ '۶ ۷ اور زیادہ سے زیادہ ''۰۹ '۱۰ ۷۷/عرض بلد کم از کم ''۲۲ '۱۴ '۱۱ اور زیادہ سے زیادہ ''۳۷ '۱ '۱۲/اس ضلع کا کل رقبہ ۵,۶۷۶ مربع کیلومیٹر ہے۔ضلع میں چار تعلقہ جات شامل ہیں ۱) چامراجنگر ۲) گنڈل پیٹ ۳) کولیگال اور ۴) یلندور۔اس میں ۱۶ ہوبلیاں جن میں آباد قریے ۴۲۸ اور غیر آباد قریہ ۸۵ ہیں۔گرام پنچایت ۱۲۰،اس کی آبادی ۲۰۰۱ کی مردم شماری کے مطابق ۱۰,۲۰,۹۶۲ دس لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔

یہاں کا درجہ ءحرارت کم از کم °۲۵ ڈگری سیل سیس اور زیادہ سے زیادہ °۳۵ ڈگری سیل سیس ہے۔ یہاں کی آب وہوا گرم اور بعض موسموں میں معتدل اور خوشگوار رہتی ہے۔مان سون میں برساتیں ہوتی ہیں۔یہاں کی مسلم آبادی ۴.۹۱٪ (۴/اعشاریہ ۹۱) فیصد ہے۔فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے یہاں امن وچین رخصت ہو جاتا ہے۔لوگوں کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے عام بول چال کی زبان کنڑا ہے اس کے علاوہ تلگو،ٹمل،اردو اور مرہٹی زبانیں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔شہر اور قریوں میں اکثر لوگ دیسی کھپریل کے معمولی سادہ گھروں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔وقت کے ساتھ ساتھ نئی بلڈنگیں بنتی جارہی ہیں۔

شہر میں پانی کی قلت ہے۔شہر سے ۷ کیلومیٹر کے فاصلے پر چک ہولے ندی اور ۱۶ کیلومیٹر کی دوری

پر سورناوتی ندی بہتی ہے۔ان پر چھوٹے ڈیام بھی بندھے گئے ہیں لیکن برساتوں کی کمی کے باعث ندیاں بہہ نہیں پاتیں اور تقریباً ۵۰ تالاب اکثر خشک رہتے ہیں لوگوں کا عام اور بڑا پیشہ زراعت ہے لیکن پانی کی قلت کی وجہ سے اس میں بھی نقصان ہو رہا ہے۔فی الحال کبنی ندی سے پانی کی سربراہی کی کوشش ہو رہی ہے۔لیکن موسم گرما میں اکثر عوام الناس کے علاوہ جانوروں کو بھی پانی ملنا دشوار ہو جاتا ہے۔زیر زمین پانی کی سطح کم ازکم ٦.٣٦ میٹرس اور زیادہ سے زیادہ ۳۴.۹۲ /میٹرس ہے یہاں ۴۹۳۲ ہیکٹو میٹرس زیر زمین پانی موجود ہے۔پانی کی قلت کا سب سے بڑی وجہ یہاں کی زمین ہے چونکہ یہ شہر پہاڑوں کی وادی میں بسا ہے زمین کی اوپری سطح پر چند فیٹ تک مٹی ہے پھر پتھریلہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ان پہاڑی سلسلوں میں گرانائٹ پایا جاتا ہے جس کے باعث برسات کا پانی زمین جذب کر نہیں پاتی اور زیر زمین پانی کی سطح بڑھ نہیں پاتی۔گرانائٹ کا زیر زمین سلسلہ ایک رپورٹ کے مطابق شہر کے مغربی جانب گنڈل پیٹ کے رخ میں شیو پور ہوبلی سے شروع ہوتا ہے اور آگے زیادہ مقدار میں ہے۔
چامراجنگر کا کالا گرانائٹ (سنگ اسود) عالمی شہرت یافتہ ہے۔جب اس کی کان کنی شروع کی گئی تھی اس پتھر کو کاٹنے کی سہولت نہیں تھی اب جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے اسی شہر میں اس پتھر کی کالی چمکدار سلیں برآمد کی جا رہی ہیں۔یہ بزنس پہلے پہل مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا اب رفتہ رفتہ غیر قوم اس پر حاوی ہوتی جا رہی ہے۔

اعلیٰ تعلیمی میدان میں سرکاری اور نجی پی یو کالج ۵۸ ہیں جن میں طلبہ کی تعداد سنہ ۱۳-۱۲ کی رپورٹ کے مطابق ۱۳۹۴۹ ہے ان میں مرد لکچرار ۳٦۷ اور خواتین لکچرر کی تعداد ۱۳۱ ہے۔عام سرکاری اور سرکاری امدادی ڈگری کالجوں کی تعداد سات ہے جن میں ۳٦۴۱ طلبہ موجود تھے نجی سرکاری امدادی ڈگری کالج ۳/ ہیں جن میں ۲۰۹۳ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔یہاں دو انجینیر ینگ کالجس ہیں ایک نجی ہے اور دوسری سرکاری بالترتیب ۱۴۹۱ اور ۹۵۴ طلبہ یہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔پورے ضلع میں ۱۳۴/لائبریریاں ہیں ایک پالی ٹیکنک ہے جس میں ۸۰۳ طلباء تھے۔ایک میڈیکل کالج زیر تعمیر ہے۔

صنعتی میدان میں بہت پیچھے ہے یہاں ایک کپڑے کی فیکٹری ہے جس میں ۷۵ر مرد اور ۷۵ار خواتین ملازم ہیں۔کولیگال میں ایک شکر فیکٹری ہے۔سال ۱۳-۱۲ میں یہاں ۲۸۶۳۲.۱۱ ٹن گنا نچوڑ کر ۹۴۷ ٹن شکر بنائی گئی۔چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی تعداد جاری سال میں ۱۵۶ یونٹس ہیں اور ان میں ۵۹۱ ملازم ہیں۔پچھلے سالوں میں کل ۸۸۹۰ یونٹس تھے جن میں ۳۶,۸۸۰ ملازم کام کرتے آرہے ہیں۔

ضلع اور تعلقہ کے اس صدر مقام میں ایک سٹی مونسپل کونسل (بلدیہ) ہے۔جس کے ۳۱ر وارڈس ہیں ہر ایک وارڈ سے منتخب ایک کونسلر (رکن) ہے۔شری نجنڈا اس کے صدر ہیں اور مسلم نمائندگی کرنے والے تین کونسلر ہیں ان میں ۱) سید عمران ۲) وحیدہ خانم اور شبانہ بیگم ہیں۔ بلدیہ کا رقبہ ۱۸.۷۵ کیلو میٹر ہے۔جس کی کل آبادی ۶۹,۸۷۵ ہے۔کل جائدادیں ۱۹,۸۰۱ ہیں بلدیہ کے راستوں کا کل رقبہ ۲۰۷.۲ کیلو میٹر ہے۔بلدیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ عوام الناس کو پانی کی سربراہی ۴.۵ یم یل ڈی کر رہی ہے۔اس حساب سے ہر شخص کو ۶۵ لیٹر پانی فراہم کیا جا رہا ہے۔شہر کا ہر راستہ بالکل ناکارہ ،جگہ جگہ بڑے کھڈ، برسات کے دنوں میں یہ کھڈ تالاب بن جاتے ہیں۔بلدیہ کا انتظام ناقص،کوئی کام رشوت کے بغیر نہیں ہوتا۔

والد مرحوم جب یہاں ملازمت کے سلسلے میں آئے اس وقت شہر کے مقتدر و نامور حضرات جیسے جناب سلطان شریف صاحب رئیس اعظم اور ان کے چھوٹے بھائی جناب شیخ پیر صاحب مرحوم، دونوں بھائیوں کا اہل چامراج نگر پر کافی احسانات ہیں۔شہر چامراجنگر فرقہ وارانہ فسادات کی آماجگاہ تھا جس کے باعث مسلمانوں پر جب تب قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑتی۔نوجوانوں کو کیسوں میں پھنسایا جاتا جیل ہوجاتی ان کے بیوی بچے کسمپرسی کی حالت میں آجاتے ایسے وقت میں ان کا والی وارث بن کر ان کی مدد کرنا اور کیسوں سے مسلمانوں کو چھڑا کر لانا آپ دونوں بھائیوں کا شعار تھا۔سلطان شریف صاحب کے فرزندوں میں

جناب الحاج انور پاشاہ صاحب، بی۔اے (علیگ) سابق مونسپل پریسیڈنٹ، (۲۵ سال تک یہ اس مونسپالٹی کے صدر رہے۔) کافی نام پیدا کیا۔مولانا آزاد ہاسٹل کیلئے اپنی جگہ وقف کردی اب یہاں اس کی بلڈنگ ہےاورعوام اس سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔جناب انور پاشاہ صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ مقامی مونسپلٹی نے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے گاڑی خانہ محلّہ کا نام بدل کران کے نام سے رکھ دیا اب یہ انور پاشاہ محلّہ ہے۔ان کی بیٹی نصرت انور صاحبہ شہر کی اولین خاتون گریجویٹ ہیں۔ان کےایک فرزند قیصرانوریم بی بی یس ڈاکٹر ہیں۔

جناب شیخ پیر صاحب مرحوم کے وارثوں میں جناب ضیاءاللہ صاحب بی۔اے مہاراجہ کالج میسور کے گریجوئیٹ، والد کی طرح ایک نامور شخصیت کے مالک ہیں۔قومی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔شیخ پیر ہاسپٹل قائم کیا جس سے عوام الناس فائدہ اٹھارہے ہیں،تعلیم یافتہ لوگوں اورعلماء کی قدر کرتے ہیں۔آپ کے زیرنگرانی مولانا آزاد ہاسٹل کی زمین پر شاپنگ کامپلکس،ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ وغیرہ کے عمارات تعمیر ہوئے جس سے قوم کو فائدہ پہنچ رہاہے۔یس پی یس گرینیٹس فیکٹری کے مالک جہاں پتھر صاف کرنے،کاٹنے اور پالیش کرنے کی مشینیں لگی ہیں اس فیکٹری کی تیارشدہ سنگ اسود کی چمکتی سلیں بیرون ملک کو برآمد کی جاتی ہیں۔تاہم چھوٹے بھائی صبغت اللہ شریف کے زیرنگرانی کاروبار چل رہاہے۔جنابہ ام ابان حفصہ بی کام گریجوئٹ آپ کی دختر ہیں۔اس فیکٹری کے علاوہ بھی بہت سی فیکٹریاں قائم ہیں چند چھوٹے موٹے تاجر بھی اس کا کاروبار کرتے ہیں جن کا ذریعہ معاشی ہی پتھر ہے۔ جناب نصراللہ شریف صاحب ان کے بڑے بھائی ہیں۔والد سے قومی خدمت کا جذبہ ورثہ میں پایا ہے۔قومی ہمدردی اور ایثار کی بیشتر مثالیں سامنے ہیں۔قوم کو فائدہ پہنچ رہاہے۔شمس النساء بنت شیخ پیر صاحب مرحوم اس شہر کی دوسری گریجوئیٹ خاتون ہیں۔

مولانا آزاد ہاسٹل کے بانی **حکیم محمد نورالحق جاوید** سوشیل ورکر تھے،جنہوں نے چامراجنگر کے اطراف واکناف کے مسلم بچوں کی تعلیم کے لئے مفت ہاسٹل قائم کیا اوراس کی نگرانی بھی کرتے رہے۔

ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلم ایجوکیشن سوسائٹی قائم کی یہ ادارہ ۵۰ سال سے کام کر رہا ہے۔ پرائمری تا کالج تک کے مسلم طلبہ کے لئے فیس کتابیں اور دیگر تعلیمی ضروریات مفت فراہم کر رہا ہے۔متعدد طلباء اس مستفید ہو کر گریجوئیٹ بنے ہیں۔اعلی عہدوں پر فائز ہو کر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ان کے فرزند نظام الحق جاوید انڈسٹریس کے مالک ہیں۔

الحاج متولی قدیر بیگ صاحب،۶۰ سال تک مسجد اعظم کے متولی رہے۔۹۰ سال کی عمر میں رحلت پائی آپ کے فرزند الحاج حافظ قاری کامل نعیم الحق باقوی مسجد اعظم کے امام وخطیب ہیں۔آپ کے دو داماد ایک کرناٹک کے سابق وزیر پنچایت راج ودیہی ترقیات جناب عبدالنذیر صاحب مرحوم جو ''نیر صابرو'' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں دیہی علاقوں میں پینے کے لئے پاک پانی کا ایسا بہترین انتظام کیا کہ ان کے عہد وزارت میں دیہی علاج ومعالجے کے لئے بجٹ میں جو پیسہ مختص کیا گیا تھا وہ حکومت کو واپس کرنا پڑا کیونکہ یہ پیسہ خرچ نہیں ہوا تھا یعنی صاف پانی کی وجہ سے دیہاتوں کے لوگ صحت مندرہے۔دوسرے داماد جناب مولانا ڈاکٹر راہی فدائی باقوی صاحب ملک کے مشہور ومعروف ادیب وشاعر ہیں۔

الحاج۔ایچ۔اسمعیل خاں صاحب مرحوم،مہاراجہ کالج کے تعلیم یافتہ،مقامی ایجوکیشنل سوسائٹی کے سکریٹری رہےاس ادارہ کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔۱۹۸۷ حج کے لئے گئے وہیں ان کا انتقال ہوا۔

سید اسمعیل صاحب مرحوم مالک رزاقیہ آئل مل شہر کے تاجروں میں شمار ہوتا ہے۔آئل مل ان کے فرزندان چلا رہے ہیں۔

عبدالستار صاحب، فارسٹ کنٹراکٹر مرحوم، نہایت سخی انسان تھے۔کئی غریبوں اور لاوارث لڑکیوں کی شادیاں بھی کیں اور ضرورت مندوں کی مدد کیا کرتے تھے۔فارسٹ کنٹراکٹر کی حیثیت سے کافی دولت کمائی۔گڈی ہٹّی جنگل کا ایک حصہ آپ کے نام سے مشہور ہے۔اسے ستار صاحب پلانٹیشن کہا جاتا ہے۔جہاں ساگوان کے پودے لگوائے تھے۔آج گھنے جنگل کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔

الحاج ایچ۔اے۔ واحد خان صاحب مالدار گھرانے میں آنکھ کھولی ان کے والد باجی حسین صاحب ان کی چرم منڈی مشہور تھی۔ واحد خاں صاحب غریب پرور، دوست نواز خوش اخلاق ہیں۔قومی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں قدیم قبرستان کی حصار بندی آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔مولانا آزاد ہاسٹل کے شاپنگ کامپلکس کی تعمیر کے لئے ایک سب مرسیبل پمپ عطا کیا۔آپ سٹیانڈرڈ انجینیر نگ کمپنی میسور کے مالک ہیں۔آپ کے دو صاحب زادے بھی آپ کے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

سی۔جی۔عبدالواقف صاحب بن حکیم بی۔محمد غوث صاحب سماجی کارکن ہیں۔قوم کی ترقی اور خوشحالی کا جذبہ ان میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔مولانا آزاد ہاسٹل کی زمین پر شاپنگ کامپلکس ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ وغیرہ عمارات کی تعمیر کے لئے ڈسٹرکٹ وقف بورڈ اور سنٹرل وقف بورڈ سے فنڈ فراہم کئے۔ یہ تعمیرات مکمل ہو کر قوم کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ایک کوآپریٹیو سوسائٹی بھی قائم کی ہے۔جس سے قوم کے لوگ قرضہ جات حاصل کر کے زراعت، تجارت، صنعت وحرفت کو فروغ دے کر اپنی مالی حالت سدھار رہے ہیں۔

والد صاحب جب یہاں آئے تھے تو شہر میں کھڑ کپور محلہ بکر قصابوں کا محلّہ یہاں مسجد عمر اور مسجد اہل حدیث، گاڑی خانہ محلّہ میں مسجد اعظم اور نقار خانہ محلّہ میں جامع مسجد تین چار مساجد تھے۔کھڑ کپور محلّہ کے دونوں مساجد شہید کر کے نئی عالی شان مساجد تعمیر کئے گئے ہیں۔مسجد عمر کی جگہ اب مدینہ مسجد بن گئی ہے۔متولی سید اسمعیل صاحب کے انتقال کے بعد انہیں کے فرزند سید ممتاز صاحب اس کے متولی ہیں۔ مسجد اہل حدیث شہید کر کے دو منزلہ مرکزی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔جس کے متولی جناب محمد ضیاء اللہ ابن محمد پیر صاحب ہیں۔اے پی یم سی گنڈل پیٹ کے سکرٹری اور اسٹنٹ ڈائرکٹر کے عہدے سے وظیفہ یابی کے بعد مسجد کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔آبادی کے بڑھنے سے شہر کے چاروں طرف نئے محلے یکس ٹینشنس بڑھ رہے ہیں۔مسلمانوں کی آبادی بھی پھیلتی جارہی ہے۔اہل حدیث مساجد کی تعداد چار ہے۔

۱) مرکزی جامع مسجد اہل حدیث کھڑ گپور محلّہ ۲) مسجد چار مینار (مسجد اہل حدیث احمد نگر) ۳) مسجد رحمانیہ، (اہل حدیث بیڑی کالونی گالی پور) اور ۴) مسجد اہل حدیث رام سمدر۔ جامع مسجد، مدینہ مسجد، مسجد اعلیٰ، مسجد اعظم، مسجد فاطمہ، مسجد عبد العزیز، مسجد مصطفیٰ، مسجد آفتاب، مسجد نور، مسجد ٹیپو، مسجد نجم النساء، مسجد شرف النساء، مکہ مسجد، مسجد الزہریٰ، مسجد رحمت، یہ مساجد اہل سنت والجماعت کی ہیں۔ اس طرح شہر میں مساجد کی کل تعداد ۱۹/ (انیس) ہے۔ جہاں پنج وقتہ نمازیں ادا کی جارہی ہیں۔ ہر مسجد سے ملحق عربی مدرسہ ہے جس سے بچوں اور بچیوں میں دینی بیداری ہو رہی ہے۔ بیرون شہر مدرسۂ احسانیہ نامی درسگاہ ہے۔ جہاں قرآن شریف کے علاوہ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ قیام و طعام کا مدرسہ ہے مولوی آفتاب احمد رشادی اس کے مہتمم تھے۔ مدرسہ کی بلڈنگ ہے اور مسجد بھی۔ مبارک محلّہ میں بنات کا مدرسہ ہے جس کے مہتمم مفتی جعفر حسین صاحب قاسمی ہیں۔ اسی سے ملحق مسجد اعلیٰ ہے۔

والد صاحب ملازمت کے سلسلے میں یہاں قیام پذیر ہوئے۔ چند ہی دنوں میں مشرب کل کے لحاظ سے سارے گاؤں کو گرویدہ بنالیا۔ اوپر جو چند نام گنوائے گئے ہیں وہ شہر کے باعزت متمول احباب تھے لیکن والد صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے۔ شہر کے اہم اجلاس ان کے بغیر ادھورے رہتے۔ ان کی اولاد آپ کے شاگرد اور شاگردائیں بنیں۔ اس شہر میں ناخواندگی کے باعث مسلمانوں کا طبقہ بہت پس ماندہ ہے۔ اس شہر میں بہت سے تعلیمی ادارے موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں میں اکثر خاص کر تعلیمی پس ماندگی پائی جاتی ہے۔ جس کے باعث اعلیٰ عہدوں میں ان کی نمائندگی صفر کے برابر دکھائی دیتی ہے۔

قیام چامراج نگر:

بفضلہٖ تعالیٰ رات نو بجے بذریعہ ریل احقر مسجد اہل حدیث آیا اور اہل وعیال سے قبل وہیں قیام کیا۔

جماعتی ذمہ داریاں نماز وخطبۂ جمعہ ادا کروا رہا تھا۔اسی اثناء میں مسجد اعظم میں رات انَّ صلوٰۃ و نُسُکی و محیایتی و مماتی پر مورخہ ۹ رنومبر ۱۹۵۳ء پر تقریر رہی جس میں کثیر جماعت تھی جس میں اکثر حضرات متاثر ہوئے مثلاً شیخ پیر صاحب کنٹراکٹر، اور پاشاہ صاحب وغیرہ۔ پھر اسی شوق سے مدرسہ محمدیہ عربیہ کا اجرا ۲۳ رنومبر ۱۹۵۳ء کو نورالحق صاحب کی صدارت اور بندہ کی تقریر پھر مدرسہ کی افتتاح جناب شیخ پیر صاحب کے ہاتھوں رہی اور بعد نماز فجر درس قرآن کے بعد ناظرہ قرآن، مشکوٰۃ وغیرہ پڑھائی۔لڑکوں،لڑکیوں اور بالغوں کیلئے ہوتی جس میں شہر کے اکثر طالب علم وطالبات حصہ لیتے۔فللہ الحمد۔

قیام سروس: بفضلہٖ تعالیٰ ڈی۔سی کی ایک بیٹھک میں مورخہ ۲۴ رنومبر ۱۹۵۴ء کو یہ عارضی ملازمت قائم ملازمت میں تبدیل ہوگئی اور ایک اگریمنٹ جاری میں آیا۔ ذٰلک فضل اللہ یوء تی من یشاء فللہ الحمد۔

باب ۴

۱۔ زندگی کے اہم واقعات ۱۱۵

۲۔سری رنگا پٹن کی سیاحت ۱۱۵

۲۔ سلطان سعود کا دورۂ ہند ۱۱۵

۳۔ عزیزہ نصرت انور کا ہدیہ قرآن ۱۱۷

۴۔ شیخ پیر صاحب کی رحلت ۱۲۰

۵۔ تبلیغی دورۂ ادھونی ۱۲۰

۶۔ تبلیغی دورۂ مدراس ۱۲۱

۷۔ شیخ عبدالعزیز باؤٹا بیڑی ۱۲۱

۸۔ تبلیغی دورۂ ترچنا پلی ۱۲۲

۹۔ تبلیغی دورۂ بلہاری ۱۲۲

۱۰۔ یم۔ین جاوید کی رحلت ۱۲۴

۱۱۔ زینت النساء کی رحلت ۱۲۴

۱۲۔ عمر آباد کا جشن طلائی ۱۲۶

۱۳۔ تبلیغی دورۂ سرسی، بنواسی، بمبئی اور گلبرگہ ۱۲۶

۱۴۔ ۷۸ کا تبلیغی دورۂ سرسی، بنواسی وغیرہ ۱۲۸

زندگی کے اہم واقعات

محمد عطاء اللہ کی ولادت مورخہ ۱۳؍جولائی ۱۹۵۴ کو ہوئی اور حسب سنت بچہ کا عقیقہ ۱۴ویں دن والد، دادی، پھوپھی وممانی کی موجودگی میں ادا ہوئی۔ مختلف مہینوں میں امسال وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری رہا ونیز آزادیٔ ہندوستان کی تقریر پہلی بار کرشنا ٹاکیز میں ۱۵؍اگسٹ کو ہوئی اور پھر دسمبر میں جلسۂ سیرت النبیؐ رہااور کرسمس چھٹی میں ڈیام جانا ہوا۔

۱۹۵۵ء:

۲۴؍جون

تبلیغی وتنظیمی سلسلہ میں فرنچ راکس کو مع امیر الدین قریشی و یہاں کی جماعت کے ذمہ دار احباب کے ساتھ گئے اور جمعہ وغیرہ کے بعد اصلاح کی گئی۔ بحمد للہ اصلاح ہوئی اور رات وعظ رہا اور واپسی میں پہلی بار مسجد اعلیٰ گنج عام وغیرہ سری رنگا پٹن دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بڑا عبرت انگیز مقام ہے۔ خدا غریق رحمت کرے جس نے آزادی کی نیو رکھی تھی اور عزت سے جینا اور عزت سے مرنا اہل ملک کو سکھایا تھا۔

صدا یہ آج آرہی ہے آج تک ٹیپو کی مرقد سے

تو مرجا اپنی عزت سے نہ جی دنیا میں ذلّت سے

آپ کا مشہور مقولہ ہے کہ ’’سو سالہ گیدڑ کی زندگی سے ایک دن کی شیر کی زندگی بھلی ۔‘‘

۷؍دسمبر

جلالتہ الملک سلطان السعود الاوّل شاہ حجاز والنجد کی ہندوستان میں آمد

جلالتہ الملک سلطان السعود الاوّل شاہ حجاز والنجد کی ہندوستان میں آمد ہے۔ جہاں اپنے احباب کے ساتھ نہرو وزیر اعظم کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔ آنے سے قبل ہی چند شرائط اس مہمان کے لئے

قابل لحاظ تھے۔

۱) میں عام طور پر جیسے کہ آپ کے ہاں ہے گاندھی جی کی سمادھی پر پھول نہیں چڑھاؤنگا

۲) نماز کے اوقات میں کوئی پروگرام نہ ہو

۳) مجلس میں تصاویر نہ ہو

۴) مجلس میں عورتیں شریک نہ ہوں

۵) کسی مندر میں میں نہ آسکوں گا

۶) خلاف شرع کوئی کام کی مجھ سے امید نہ کی جائے فللہ الحمد

انہیں شرائط پر آئے اور تمام جگہ ہندوستان میں کامیاب دورہ رہا۔خصوصاً جماعت اہل حدیث بنارس نے اچھا استقبال کیا اس سے بڑھ کر اہل حدیث کانفرنس دہلی نے لال قلعہ میں عربی ایڈریس پیش کیا اور جریدہ ترجمان کا خاص سعود نمبر نکالا جس پر زیادہ محنت رفیق محترم مولانا مجاز اعظمی ایڈیٹر کا حصہ رہا۔ اور کانفرنس کو مالی تعاون ہوا۔ اس طرح آپ ہندوستان کے اکثر بڑے شہر گھومے اور میسور بھی ۷؍ دسمبر ۱۹۵۵ء بروز چہارشنبہ بوقت ۱۰؍بجے ٹاؤن ہال تشریف لائے۔ ویسے تو بروز منگل قبل مغرب ہی تمام شہر کے مسلم احباب بنگلور گیٹ ہی تشریف لے گئے تھے اور خوب جوشیلے نعرے لگا رہے تھے۔ ہند عرب دوستی کا بہترین ثبوت تھا۔جس میں میر امیر الدین قریشی صدر جماعت میسور بھی مخصوص لوگوں میں تھے اور شب میں دعوت میں بھی شاہ کے ساتھ شریک رہے۔ بروز چہارشنبہ آدھا گھنٹہ کا صبح کا پروگرام ٹاؤن ہال میسور شاہ سعود کا رہا جس میں عربی ایڈریس جناب میر محمود حسین عرف عبداللہ جان لکچرار مہاراجہ کالج میسور اور کے۔ پٹ سوامی پریسیڈنٹ میسور نے انگریزی میں پیش کیا جس کا جواب یوسف فوزان نے شاہ کی جانب سے دیا۔ سلطان کے باز و حبشی و عربی سپاہی مسلّح کھڑے تھے۔اس وقت آپ کی عمر ۵۳ سال تھی۔اس موقع پر حاجی امیر الدین قریشی نے قرآن شریف اور سونے کا زیور اپنی جانب سے اور جماعت کی جانب سے قرآن اور بہترین شال تحفتاً عطا کی جس کو بڑی خوشی سے

قبول کیا گیا اور ہدیۂ سلام پیش کیا گیا جو صرف کرسی کے ڈنڈے سے معمولی ہاتھ اٹھتا۔ خصوصیت آپ کی بیٹھک میں اس طرح تھی کہ باوجود عدم داخلہ کے بھی مستورات ہال میں آگئیں تھیں۔ مگر آپ جو ٹیڑھے بیٹھے رہے تھے تو آخر تک ایسا ہی خمیدہ ہی بیٹھے رہے جس کے متعلق مقامی ساہوکار شیخ پیر صاحب نے کہا واقعی بڑا متقی بادشاہ کہ عورتیں سامنے بیٹھنے پر جو ٹیڑھے بیٹھے تو آخر تک اسی طرح رہے اور اسلامی فلیگ لا الہ اللہ اور تلوار کا نشان کو دیکھ کر بڑی خوشی محسوس ہوتی رہی۔ فللہ الحمد آپ کا شرف دیدار آدھ گھنٹے تک ہوتا رہا مسلسل چہرہ پر نگاہیں جمی رہیں فرط مسرت سے بے تاب ہو کر آنسو نکل آئے پھر گیار بجے بنگلور لوٹ گئے۔

سعودی حکومت کے تعاون کا سلسلہ صرف یہیں ختم نہ ہوا، مرکزی دارالعلوم بنارس کے افتتاح پر یوسف فوزان سفیر برائے سعودی عربیہ تشریف لائے ان کے ہاتھوں سنگ بنیاد رکھا گیا۔ من بعد مدینہ منورہ کے دو بہترین اساتذہ کو حکومت سعودیہ نے مبعوث فرمایا وہ تشریف لائے اور اس درس گاہ میں خدمت انجام دینے لگے فللہ الحمد۔ اس کے علاوہ آپ نے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میڈیکل سکشن کے لئے کئی لاکھ روپیہ کا عطیہ عنایت فرمایا۔

۱۹۵۶ء:

مورخہ ۱۳/ اگست: مسجد اعظم میں سی۔ یس۔ عبدالجبار کی صدارت میں شہیدان اسلام منایا گیا جس میں احقر کی شہدائے اسلام کے عنوان پر تقریر رہی جس میں عبداللہ جان مہاراجہ کالج اور محمد حنیف کلیم لکچرار مہاراجہ کالج بھی تھے۔

۲۳/ اگست: کو محمد ثناء اللہ کی پیدائش ہوئی اور عقیقہ ساتویں دن رہا۔ ثنائی ترجمہ والے قرآن کی نسبت سے یہ نام رکھ گیا جو اسی زمانے میں ہوا تھا اور مولانا راز کو بمبئی خط لکھا گیا جس پر وہ بہت مسرور ہوئے اور مبارکبادی کا خط لکھا۔

۲۱/ دسمبر: کو **جشن تکمیل قرآن عزیزہ نصرت انور** بنت انور پاشاہ پریسیڈنٹ کا خاص اہتمام سے

جلسہ ہوا جس میں ہدیہ نجی کا رہا اور تمام ہندو مسلم شریک رہے اور بندہ کی تقریر اور ساری تکمیل احقر سے رہی۔ تمام کو طعام سے نوازا گیا اور بندہ کو کپڑے اور سو روپیہ نقد بطور ہدیہ ملا اور مع اہل وعیال کے شریک رہا اور مصری قرآن مجید پاکٹ سائز وسیرۃ عائشہ کتاب تحفتہً دی گئی بڑی خاطر رہی فللہ الحمد۔

۱۹۵۸ء

۱۲/اکتوبر: بروز اتوار قریبی مقام تالواڑی کی مسجد کی افتتاح بدست محمود خاں صاحب عمل میں آئی جس میں محمد ابّا سیٹھ، محمد حنیف کلیم مانسا گنگوتری، جس میں بندہ کا عنوان فضیلت تعمیر مسجد رہا تقریر پسند کی گئی دوپہر طعام کے بعد واپسی براستہ پنچور انور پاشاہ صاحب کے چائے کے بعد رہی۔

۱۹۵۹ء

۱۴/جنوری : اردو ہندی اسوسیشن چامراجنگر : یہ ادارہ جو خاص وجوہات کی بنا ۵۴ء میں وجود میں آیا، دراصل مسلم طلبا اردو اور کنڑا کی دلچسپی مذہبی حیثیت سے رہنے کی با پر احقر کے زیر نگرانی شروع ہوا جس میں سالانہ اجلاس سیرۃ النبیؐ کے علاوہ اقبال ڈے اور غالب ڈے کی حیثیت سے گاہے ماہے ہوتے رہتے تھے جس کے صدر اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور نائب صدر احقر ہوتا ہے اور ہندی ٹیچر بھی اس طرح طلباء ہندی و اردو کے میل ملاپ سے یہ دن منائے جاتے اور اس وقت ۵۴ء میں بحیثیت صدر سری یم۔ وی سرینیواس مورتی تھے اور سکریٹری ضیاء اللہ شریف اور طلباء ہی میں اراکین۔ خازن ونائب سکریٹری منتخب ہوتے اور سالانہ اجلاس اچھے پیمانے پر ہوتا جب کہ خصوصی صدر کیشو آئینگار ہیڈ ماسٹر گنڈل پیٹ اور خصوصی نمائندہ بحیثیت مقرر جناب عبدالنذیر صاحب کنڑا میں تقریر کرتے اور شہر کے عمائدین میں شرکت جناب شیخ پیر صاحب، انور پاشاہ، سی ایس سید عبدالجبار صدر اسوسیشن، اور ہیچ اسمٰعیل خاں صاحبان ویم ین جاوید صاحب کی رہی۔ اس میں کثیر محنت ومشقت اکثر گاڑی خانہ کے طلباء کی رہی اور مہمانوں کو لانے اور لے جانے بذریعہ کار بھی جناب شیخ پیر صاحب نے کی۔ تقریر کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک مقامی سکول کے استاد شری وردیشا کرچار نے بعض اسلامی باتوں پر اپنی انگریزی تقریر میں

کچھ ریمارک کیا، جس کا معقول جواب جناب عبدالنذیر صاحب گنڈل پیٹ نے دیا اور اس میں صلح صفائی کردی گئی۔

۳۱؍جنوری : اردو ہندی اسوسیشن کا پانچواں اجلاس: سریمان کنگے گوڈا پریذیڈنٹ کے زیر صدارت عمل میں آیا اوران کی صدارت کی منظوری بذریعہ بھائی قریشی رہی اور کنڑا مقرر کی ذمہ داری بتوسط میر محمود حسین عرف عبداللہ جان لکچرار مہاراجہ کالج میسور جناب یم عبدالباسط صاحب ریٹیر اسسٹنٹ کمشنر میسور اوران کے ساتھ میر بشیر احمد قریشی، سید عبدالعزیز متولی اہل حدیث، یوسف علی خاں کافی پلانٹر مرکرہ اور سید صدیق صاحب، ڈاکٹر وپی۔ڈبلیو۔ڈی کنٹراکٹر وغیرہم میسور سے اور مقامی عمائدین شہر میں ساہوکار شیخ پیر صاحب اور انور پاشاہ صاحب پریذیڈنٹ اور حاجی محمد ابراہیم صاحب متولی اہل حدیث نے ٹفن اور پھر جلسہ کے بعد میسور جانے سے قبل گھر ہی پر کھانا بریانی ومیٹھا وغیرہ کا اہتمام رہا اس طرح نو بجے بڑی خوشی کے ساتھ جلسہ اختتام کو پہنچا اور احباب رخصت ہوئے۔

۲۲؍اگست: بروز جمعہ بوقت ساڑھے نو بجے شب بچی کا تولد ہوا اور بحمداللہ ۲۸؍اگست کو حسب سنت عقیقہ کیا گیا اور بچی کا نام امتہ اللہ عرف زبیدہ خاتون رکھا گیا۔

۲۱؍ستمبر ۱۹۵۹ء چتلدرگ کا ایک مکان جو وہاں کی دینی خدمت انجمن مفیدالاسلام محلّہ باہر پیٹ کے سلسلہ میں بعض حضرات جناب شیخ احمد بخش، شیخ عبداللہ عرف صابو صاحب سے مونسپل سائٹ جو ۳۰×۴۰ جو صرف ۔/۴۰ روپئے میں پریزیڈنٹ بھیمپا نایک کے توسط سے محلّہ باہر پیٹ (آزادنگر) میں لی گئی تھی اس کی بناوٹ کے بعد مبلغ ۔/۱۸۰۰ روپئے میں فروخت ہوا۔ اسی مبلغ سے ۲۱؍نومبر مہادراج اور اس کے بھائی (بڑا مولا) کی تری زمین مبلغ ۔/۱۹۰۰ رہن کروالی گئی۔ مڑی کے رہن کے وقت کچھ مبلغ ۔/۹۶۷ روپئے حاجی محمد ابراہیم صاحب سے ادھار لی گئی تھی، گھر کے فروخت کے بعد حاجی محمد ابراہیم صاحب کی امانت واپس کردی گئی۔

۱۹۶۰ء

۲۵/اپریل: افسوس کہ آج بوقت ۲۰-۸ **پیر مرحوم شیخ پیر صاحب** کنٹراکٹر کا انتقال ہوگیا جن کا ذکر سابقہ تحریروں میں ہو چکا ہے۔ اطلاع ملتے ہی فوراً احقر گیا سورۂ یٰسین کا ورد کیا اور حسب سنت اٹھوانے کیلئے کہا مگر داماد حیدرعلی خاں اور ماما غفور صاحب متوجہ نہیں ہوئے مرحوم یہاں کے مرنجان مرنج شخصیت تھی آپ کی دادودہش یہاں کا ہر فردوقوم مسلم وغیر مسلم مستفید تھے۔ یہاں کی یادگار مدرسہ محمدیہ کو بنفس نفیس آئے اور افتتاح کی اور خود آپنے روشنی (ایلکٹرک) کا انتظام کیا اور فرمایا کہ میرے بھائی نے بلڈنگ بنوائی تو مجھے روشنی کا حق ہے۔ اکثر آپ مدرسہ عربیہ کو تعاون فرماتے۔ آپ جمعیۃ العلماء چامراج نگر کے صدر تھے تو بندہ نائب صدر تھا۔ سیاسی و مذہبی مجالس میں ضرور یاد فرماتے اور طعام میں ضرور شرکت کروالیتے۔ جناب انور پاشاہ پر خاص عنایت تھی۔ اپنے بچوں سے زیادہ دیکھتے۔ نصرت انور کے اختتام قرآن پر بڑی مسرت رہی اور ان کے صاحبزادگان خورشید انور، قمر انور، اور افسر انور کی ختنہ کی پگڑی بڑی خوشی سے میرے دست بندھوایا اور مسرور رہے۔ ان مذکورہ بالا عنایات کو دیکھ کر جناب نورالحق جاوید سکرٹری آزاد ہاسٹل کو کہنا پڑا کہ خالو صاحب کو آپ سے بڑی عقیدت ہے کوئی کام آپ کے بغیر نہیں کرتے۔ خدا مغفرت کرے اور خطاؤں کو معاف فرمائے۔

۱۹۶۴ء

۱۴ستمبر:

طویل چھٹی کی وجہ تبلیغی سفر ہاسپیٹ سے برائے ادھونی علاقہ آندھرا پردیش رہا۔ محترم المقام جناب شیر خانصاحب کی مہمان نوازی رہی۔ باوجود کثرت باراں کے خطاب اپنی مسجد اہل حدیث میں رہا۔ پرانے احباب سے جن کا تعلق مدرسہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ عرصہ سے تھا آج اس مقام کو دیکھنا پڑا اور پرانی تاریخی مسجد و دیگر چیزیں بھی دیکھنے میں آئیں۔ نیز ان کے صاحب زادے جناب مصطفیٰ صاحب خاصے دیندار نظر آئے اور پنجوقتہ اکثر اذان کی خدمت انہیں کی رہتی۔ محترم المقام شیر خانصاحب جو اس علاقہ و مدرسہ محمدیہ کے خاص محسن ہیں آپ کی شخصیت اس علاقے میں بحثیت اہل حدیث وسیع مطالعہ و

علمائے کرام سے آپ کا گہرا تعلق ہے اور خاصہ تعاون آپ سے رہا کرتا ہے۔آپ کی وجہ سے دو تین دن قیام کے بعد اگلا سفر مدراس کے لئے ہوا۔(دو دن وعظ و تبلیغ رہی۔اثر ہوا)

۱۸ر ستمبر: سفر مدراس:

بفضل تعالیٰ صبح ہی مدراس پہنچا اور پہلا قیام مسجد اہل حدیث چار مینار پٹالم رہا وار بعد نماز فجر برابر خطاب ہوتا رہا اور خطبہ جمعہ بھی دیا گیا اور اپنے مدرسہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ و مدرسہ رحمانیہ کے رفیق مولانا عبدالحافظ صاحب عمری جو یہاں سرکاری خدمت کے علاوہ خطابت و امامت بھی فرما لیتے ہیں، ملاقات رہی اور میز بانی کے فرائض اس قدیم دوست نے کی نیز مولوی عبدالباری سعیدیؔ جو دہلی کے ہم عصر ہیں حاجی عبدالسبحان صاحب بون فیکٹری کے ہاں مسجد دینی خدمت ادا کر رہے ہیں ملاقات رہی کچھ بعد مغرب خطاب بھی رہا۔اس طرح دو دن کے قیام کے بعد جناب مولوی عبدالحافظ عمری ہی کے توسط سے مورخہ ۲۰ر ستمبر ۶۴ کو الحاج شیخ عبدالعزیز صاحب باؤٹا بیڑی سے بوقت ظہر ملاقات رہی اور یہاں بعد فجر و عشاء درس حدیث کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ان دونوں اوقات میں خطاب رہا اور حاجی صاحب سے گہری ملاقات ہوتی رہی۔

شیخ عبدالعزیز باؤٹا بیڑی:

بقول خود آپ نے اپنے والد مرحوم شیخ اسمٰعیل صاحب سے دینی تربیت حاصل کی جو بڑے ہی دین دار شخصیت تھی غسل جمعہ سے فراغت پا، گاڑی میں سوار ہو کر مسجد آنے تک سورۂ کہف ختم کر لیتے اور میں بھی ساتھ رہتا۔عبدالعزیز صاحب کی شخصیت کی ایک نرالی شان ہے۔آپ یہاں کے سرخیل جماعت اور اس علاقہ کے سخاوت کے لحاظ سے و دینی مدارس کی خدمت کے لحاظ سے حاتم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔آپ بڑے موحد یہاں تک کہ کریم بیڑی جو کہ ایک بدعتی کی ہے برابر ٹکر رہتی ہے اور بحث اور رسالوں کا سوال و جواب چلتا رہتا ہے۔آپ کی وجہ سے بڑے بڑے رسالے و پمفلٹ اشاعت پذیر ہو کر دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔صرف اردو ہی میں نہیں بلکہ بزبان تمل بھی ہوتے ہیں۔اور دور

دراز علاقے تک جاتے ہیں۔خدا آپ کی خدمت کو مقبول فرمائے اور آپکا سایہ تادیر رکھے آمین۔ پنج وقتہ نماز با جماعت تکبیر اولیٰ میں آپ کی شرکت قابل رشک ہے۔مالدار تو بہت ہیں مگر ایسا شوق الاّ ماشاء اللہ یا تو یہ شوق آنکھوں نے دلّی کے صدر بازار بلی ماران و دیگر مقامات میں دیکھا یا مدراس میں ان موصوف کو بہر حال آپ سے شب و روز ملاقات ہوتی۔اساتذہ کرام اور علمیت و تحقیق مسائل پر کافی روشنی رہتی۔ اس طرح پانچ دن کے قیام کے بعد اجازت و خود آپ کے مشورہ سے الحاج محمد ابراہیم صاحب اسٹیم بیڑی صدر تبلیغی ٹملناڈ ترچنا پلی سے کروائی اور گاڑی میں ترچنا پلی بھیجا۔

ترچنا پلی:

مورخہ ۲۵/ستمبر ۶۴ کو شب بہ معیت کار حاجی محمد ابراہیم صاحب مالک اسٹیم بیڑی و صدر تبلیغی ٹملناڈ (مدراس) رات ۲/بجے مدراس سے آنا ہوا اور خطبۂ جمعہ و مواعظ حسنہ کا سلسلہ دو دن تک جاری رہا۔ نیز مسجد اعظم گڈھ و کینٹ میں سلسلہ وار تقاریر رہی اور اس میں جناب عبد المجید صاحب ریلوے برابر ساتھ رہتے تھے اور یہ تمام کام اپنی نگرانی میں حاجی صاحب کی ہدایت سے ہوئے۔

بلہاری:

مورخہ ۲/اکتوبر ۶۴ءخطبۂ جمعہ مسجد اہل حدیث قول بازار بلہاری اور قدیم جامعہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا حاجی عبد السلام صاحب بون فیکٹری بلہاری کے صاحبزادے جناب عبد الرحمٰن صاحب کے میزبانی کے بعد رخصت ہوا۔ پھر واپسی ڈیام کو ہوئی اور مختلف مقامات قدیم ہمپی کے وجیانگر کے دیکھنے سے متعلق تھے اور تمام مقامات کی سیر ہوئی۔

۱۹۷۰ء

کے پٹ سوامی:

کے۔ پٹ سوامی ایڈوکیٹ میسور وسکریٹری ضلعی کانگریس کمیٹی اور آگے چل کر منسٹر آف سوسائٹی بنے بڑی قدر منزلت پائی مرحوم کے نزدیک اچھے مشیران کے اور ساہوکار چینیا آف میسور کے رہے جو آگے

چل کر اختلافات کی بنا پر یہ الگ اپنی جنتا پکشا بنایا اور یہ کانگریس کے پرانے بہی خواہوں میں رہے اور چیف منسٹر نجلنگپا کے زمانہ میں بھی وزیر رہے ویریندر پاٹل کے زمانے میں بھی رہے یہاں حکمراں کانگریس (اندرا کانگریس) میں آ گئے۔

کیونکہ کلام اللہ برابر ہر ایک کے احسان کا بدلہ احسان سے بقول ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کی حیثیت کو ذکر کرتا ہے۔ آپ کا احسان اس بندہ پر اس طرح بھی ہے کہ میرا تبادلہ مورخہ ۵/جولائی ۷۰ء ہنسور کو ہوا تو برادرِ مکرم میر بشیر احمد قریشی کے ذریعہ آپ سے ملاقات کے بعد فوراً بذریعہ فون ڈویژنل کمشنر کے ذریعہ مشورہ دیا کہ ان کے متعلق خیال کرو چنانچہ فوراً ہی آرڈر کینسل کا ہوا جزاکم اللہ خیرا۔

۱۹۷۲ء

مورخہ ۹/جون ۷۲ آج عزیز سیٹھ وزیر برائے لیبر ٹرانسپورٹ، ٹورزم و اوقاف قبل جمعہ آئے نماز جمعہ مسجد اعظم میں رہی بعد نماز عصر مقامی محلّہ کے بیڑی مزدور اسوسیشن کی افتتاح عمل میں آئی۔ جس کے صدر جناب ضیاء اللہ شریف کونسلر ابن شیخ پیر صاحب مرحوم ہیں رات آئے اور کہا کہ اس طرح آپ کی قرأت جلسہ میں ہوگی اور خطاب بھی کرنا پڑے گا۔ حسب پروگرام بعد عصر قرأت وافتتاحی تقریر برائے لیبر و اوقاف پر کافی وقت بولنے کا موقع رہا جس کو کثیر حضرات نے اور خاص کر منسٹر عزیز سیٹھ نے، کے۔ بی شیویا، یم ایل اے، کے۔ پٹ سوامی۔ یم ایل اے، نے پسند کیا اور ۱۰ جون کے دکن ہیرالڈ انگریزی اخبار میں ڈاکٹر پلّے نے رپورٹ دی اور اس نے بھی اپنی شاپ میں بلوا کر خاص مبارکبادی۔

مورخہ ۳/اکتوبر ۷۲ء آج بعد فجر چامراجنگر سے نکل کر بعد مغرب تبلیغی سلسلہ میں ایک ماہ کی چھٹی میں سفر رہا جس میں قیام چار مینار شولہ بعد فجر خطاب رہا۔ حاجی عبدالسبحان صاحب تاجر ویم۔ آر۔ او، اور نعمت واچ کمپنی اور حاجی عبدالغنی صاحب سے ملاقات رہی۔ خصوصاً حاجی عبدالعزیز صاحب مالک باوٹا بیڑی مدظلہٗ العالی سے گہری ملاقات دینی و دنیاوی ہوتی رہی، ۹/اکتوبر ۷۲ء تک ملاقات کر کے ترچی حاجی محمد ابراہیم صاحب سے ملاقات کے لئے چلا راستہ ولی پورم میں تراویح میں شرکت کے بعد

تراویح و فجر خطاب کے بذریعہ بس ترچنا پلی کے لئے تبلیغی سلسلہ میں نکلا بعد تراویح اکثر خطاب رہتا جس میں قیام حاجی ابراہیم صاحب مدظلہٗ العالی کے ہاں رہتا وہ خود اپنی کار میں لاتے خطاب کے بعد گھر لاکر سب کچھ انتظام کے بعد رخصتی کی اجازت لے جاتے۔اس طرح مورخہ ۱۵/اکتوبر۷۲ء تک خطاب رہا بعد وہاں سے اوٹی کے لئے سفر رہا۔ ۱۶/اکتوبر بعد نماز فجر خطاب رہا اس طرح مختلف تبلیغی خطابات ورمضان ختم کر کے چامراجنگر واپس آیا۔

۱۹۷۳ء

۱۹ ستمبر **۷۳**ء کو یہاں کے مشہور قومی کارکن جناب **یم۔ ین۔ جاوید صاحب** کا انتقال ہوگیا جو واقعی یہاں کے مخلص ترین محرک تھے۔ ہر تحریک کی ابتداء چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی انہیں سے ہوتی تھی۔ چنانچہ مختلف مقامی ادارہ مثلاً بیت المال، ایجوکیشنل مسلم اسوسیشن اور آزاد ہاسٹل، ہاسٹل تو خاص الخاص یادگار ہے جو آج بھی ان کے صاحبزادے اور اپنے شاگرد نظام الحق صاحب کی دیکھ بھال رہتی ہے۔ خدا ان مخلص کاموں میں برکت عطا کرے آمین۔

۱۹۷۴ء

۲۸/دسمبر ۷۴ء ابھی ابھی اطلاع بوقت ۴۵۔۱۱ مسجد اہل حدیث متولی مسجد اہل حدیث سے آئی کہ آپ کو مسجد کی ذمہ داری سے سبکدوش کردیا گیا ہے۔اس تحریر کے بعد مختلف مشورہ بابت مسجد حمید اللہ بن حاجی مدار صاحب مرحوم، محمد پیر، پھر بعد نماز فجر جماعتی مشورہ بابت عبدالحفیظ آدھا گھنٹہ رہا جس کی بابت اپنی جانب سے مورخہ ۲۸/دسمبر کو جواب دیا گیا۔

۱۹۷۵ء

مورخہ ۱۳/جون : آج میسور سے اچانک اطلاع آئی کہ محترمہ مرحومہ زینت النساء بنت امیر جان رئیس اعظم گنڈل پیٹ واہلیہ جناب انور پاشاہ صاحب رئیس وصدر مونسپل کونسل چامراجنگر کا انتقال میسور میں ہوا، اور لے آئے دوسرے دن مورخہ ۱۴/جون بعد ظہر تجہیز وتکفین رہی۔ مرحومہ جنکی اکیلی دختر

نصرت انور تھیں جن کا ابتدائی مرحلہ عربی یَسَّر نالقرآن سے شروع کر ہائی سکول و ماؤنٹ کارمل کالج بنگلور تک اردو کی پڑھائی کرتی رہیں بڑی محسن اور داتا عورت بڑی خدا ترس اور نیک بی بی تھیں خدا مغفرت فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے الّٰھم اغفرلھا۔ آمین۔

مورخہ ۲۱/ جولائی، جماعتی اختلافات کی بناء چامراجنگر سے ہولے نرسی پور تبادلہ کروالیا چنانچہ تبادلہ حکم نامہ نمبر DDPI NO 3/75 Dt:07-07 71 مرضیٔ مولیٰ کے تحت آج مورخہ ۳۰/ اگست ۷۵ پر یہاں کی جونیر کالج میں، تبادلہ کی، پہلی بسم اللہ ڈیوٹی رہی۔ جو ۱۲/ نومبر ۱۹۵۳ء تا ۳۰/ اگست ۱۹۷۵ء صرف چامراج نگر میں تھی۔ الّٰھم احفظ من فتنۃ الدنیا والآخرۃ۔ آمین۔

۲۲/ اگست: **ہولے نرسی پور:** یہاں کی مقامی مسجد اہل سنت کی اکثر حاضری پر نمازیں و خطبۂ جمعہ احقر کے ذمہ ہوتے رہتے۔ تمام خوش رہتے اکثر احباب افیشیل و دیگر منصف پسند حتّٰی کہ شیعہ حضرات بھی شرکت کرتے اور خوش ہوتے۔

۱۷/ ستمبر ۷۵ء: برائے رمضان چھٹی لے کر ہولے نرسیپور سے نکل گھر آیا اور وداعی جلسہ بھی بوائس سکول کا رہا۔ اور تبلیغی سفر برائے اوٹی، ترچنا پلی، مدراس ہوئے۔ بہ نیت اعتکاف و گذاری شب قدر یں چاٹی پور رہا اور تمام جماعت مسرور رہی کہ ہماری خوش نصیبی کہ آپ یہاں کے لئے وقت نکالا۔ خدا بھلا کرے عبدالستار ہنگنور لحم فروش کا ان کا نیک مشورہ جماعت میں کام آیا اور سب لوگ مرد و زن نئی مسجد اور ہماری آمد سے خوش رہے۔

۱۹۷۶ء

۱۵ جولائی: الحمد للہ کہ آج رب رزاق نے محمد صبغۃ اللہ کے لئیر زق کا دروازہ کھولا۔ ان کا تقرر بحیثیت اردو لکچرار فسٹ گریڈ کالج سرا ہوا۔ مورخہ ۱۵/ جولائی ۷۶ء کو ڈیوٹی رپورٹ کر لی۔ یہاں سے ان کی سروس شروع ہوئی۔ الّٰھمّ اجعلھم لنا ولداً صالحاً ورزقاً واسعاً وارحمنا فانک خیر الراحمین۔ آمین

۷/ ستمبر: ۱۲ رمضان شریف: ایک ٹیلگرام بنام جماعت اہل حدیث سرا آیا کہ سید عباس صاحب مینیجر

جامعہ محمدیہ کا اچانک انتقال ہو گیا۔اسی وقت مولانا ظہیر الدین صاحب مدرس دارالسلام عمر آباد بھی آئے تھے یہاں سے رائیدرگ مغموم روانہ ہوئے،اور مرحوم کی نماز جنازہ ادا کی۔میں بسبب قیام رمضان ان کا جنازۂ غائبانہ ادا کیا۔خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔بعض اختلافات کی بنا سرا سے نکل ہندوپور آیا اور وہاں طاق راتوں سمیت عید الفطر تک قیام رہا، پھر واپسی رہی۔

۱/اکتوبر: تبلیغی سفر برائے سرسی۔ہیگڈے کٹّہ، بنواسی بمبئی، گلبرگہ،صوبائی جماعت اہل حدیث کرناٹکا کے سلسلہ میں رہا جس میں مولانا داؤد راز،مولانا انعام اللہ فاروقی ناگپور وغیرہ کے ساتھ سرسی وغیرہ میں خطاب رہا۔ہر جگہ نعت ونظم خوانی وتقریر سے متاثر رہے۔رب جماعت اہل حدیث میں بیداری واتفاق پیدا کرے آمین۔

۱۹۷۷ء

۱۶ و ر۱۷/اپریل ۷۷ء عمر آباد کے جشن طلائی میں شرکت رہی جس میں فارغین کو عبائیں و اسناد تقاریر پر عربی، انگریزی اور اردو میں دو دن تک جاری رہیں۔جس میں قطر، کویت، مصر و مقامی جماعت اسلامی کے صدر مولانا محمد یوسف وقاری محیب صاحب دیو بند اور صدر کانفرنس مولانا عبدالحفیظ سلفی نے شرکت فرمائی۔اسی میں وقت نکال کر، میں نے وعطاء اللہ جامعی ہری ہر نے صدر موصوف سے ایک الگ مجلس اہل حدیث ہند کے شرکاء نے اصرار کیا کہ زمانۂ دراز سے ہمیشہ شمال ہی میں کانفرنسیں ہوتی رہتی ہیں سوائے اس کے کہ ایک مرتبہ مولانا امرتسری وغیرہ نے مدراس میں اجتماع کے، جس میں صدر موصوف نے کہا کہ بنگلور کے لئے یا جنوبی ہند کے لئے غور کیا جائے گا۔دعا کے بعد مجلس برخواست رہی۔مختلف جماعتی ملاقاتیں شرکت کرنے والوں سے مثلاً حیدر آباد، آندھرا، کرناٹکا، شمالی احباب سے رہی۔اکثر نمازیں پنڈالوں میں احقر نے گذاریں۔

۱۲/اکتوبر: برائے دینی وتبلیغی سفر سرسی، ہیگڈے کٹّہ، بنواسی، بیگرنی، بیرور، دسہرہ کی چھٹی، اکتوبر میں رہا اور جماعتی تعارف ودینی باتوں وعظ ونصیحت سے کافی قریہ باش احباب متاثر رہے۔اس طرح

۲۴؍اکتوبر تک تبلیغی سفر رہا۔

۶؍دسمبر: ویسے تبادلہ ہولے نرسیپور پر جماعتی للہ خدمت مسجد نماز وخطبۂ جمعہ وغیرہ احقر کا چھوٹی سنی مسجد میں رہا۔ اکثر اپنے عقیدہ کے مطابق ہی ہوتیں، نیز مجلس مناکحت میں بھی احباب کے اصرار سے تقریر یہاں وہاں وغیرہ ہوتی رہتی جس کے اکثر حنفی احباب متاثر رہ کر آئیندہ دینی خدمت ورمضان وغیرہ کا اصرار رہتا۔

۲۱؍دسمبر: مقامی شیعہ حضرات کا یوم عاشورہ قابل ذکر ہے جو رات بھر بیانات وسینہ کوبی کیا مرد کیا عورت کی ہوتی رہتی ہے اور پھر بعد عصر جلوس کی شکل میں نکل کر شاہراہوں سینہ کوبی کر نکلتے اور خون و گوشت کے فوارے چھوٹتے۔ شاید اسلام واہل بیت کا اظہار ہو، مگر محبت تو کی وحشت ٹپکتی اور اقوام غیر متعجب رہتے۔ چنانچہ مورخہ ۲۳؍ دسمبر کے خطبۂ جمعہ میں شرک وبدعات محرم الحرام پر سخت خطاب رہا۔ اللّٰھمَّ ذقعہ العمل آمین۔

۱۹۷۸ء

۶؍مئی: آج بفضلہٖ تعالیٰ برائے شادی محمد صبغۃ اللہ ٹمکور کی تیاری رہی بعد ناشتہ نکل دوپہر طعام مدّور میں کر بوقت ساڑھے چار بجے پہنچے۔ تمام احباب منتظر لا کالج ٹمکور میں مع عبداللہ بیگ وغیرہ تھے ملاقاتیوں وتعارف کا سلسلہ کافی دیر تک رہا۔ پھر طعام کا انتظام بڑا خاصہ تھا۔ احباب نے بڑے ہی مسرور ہوکر کھایا پیا اور آرام کیا۔

۷؍مئی: بفضلہٖ تعالیٰ نکاح پر فلاح محمد صبغۃ اللہ۔ یم۔اے وملکہ جان یم۔اے۔ بی ایڈ کا بوقت ۱۵۔۱۱؍ بعوض ۴۰۰۱ روپیہ (چار ہزار ایک روپیہ) مولانا عبدالرحیم فیضی خطیب مسجد اعظم ٹمکور کے دست رہا۔ انگریزی اور اردو میں شکریہ ادا رہا اور تحائف کا سلسلہ بارہ بجے رہا۔ اس رات ٹمکور میں ایک شناسا کے مکان میں برات کا قیام رہا اور صبح ۸؍مئی ٹمکور سے روانہ ہوکر قبل مغرب واپسی چامراجنگر رہی اور تمام کو تحائف وغیرہ طعام کے ساتھ دئے گئے الحمدللہ۔

۱۹۷۸ء

۱۲ جولائی: آج بفضلہٖ تعالی بڑی جد وجہد وکاوشوں کے بعد گورنمنٹ گرلز ہائی سکول نجن گڈھ تبادلہ رہا اور ڈیوٹی رپورٹ بھی اسی دن رہی ۔ تمام اہل وعیال مسرور رہے اور بذریعہ ریل آنا جانا رہا۔ الھم انصر وارحم فانک خیر الراحمین آمین ۔

اگست ۷۸ء کا رمضان چاٹپور میں گذارا، خطبات جمعہ، اعتکاف، طاق راتوں کے خطابات وغیرہ میں احباب جماعت اکناف قریہ جات شرکت کرتے رہے عید تک سلسلہ جاری رہا۔

۲۴ ر ستمبر: عازم حج مختار احمد بنگلوری داماد ظہور احمد شریف و بیٹی ثروت ظہور کی دعوت امان اللہ خاں ماموں نے طے کیا جس میں بندہ کی تقریر و دعائے مخلصانہ رہی نیز ۲۵ ر ستمبر کو ظہور احمد شریف کے ہاں ناشتہ کا کافی اہتمام رہا شرکت رہی اور عبدالجبار باقیات الصالحات ویلور سے بھی ملاقات مقامی رہی جس میں مسجد اعظم گاڑی خانہ محلّہ کے حوض کی افتتاح اور مسجد اعلیٰ کی سنگ بنیاد اور خطاب اور بندہ کا شکریہ کا موقع رہا۔

۱۸ ر اکتوبر: آج تبلیغی سفر برائے سرسی، بنواسی، ہیگڈے کٹہ، جہاں تایا صاحب مولانا اسمٰعیل مدظلہ العالی کے رسوخ و معتقدین خاصی تعداد میں تھے رائیدرگ کی خدمت سے خاصہ واقف ہیں کافی الفت رہی اور مختلف بیانات ہوتے رہے کئی دن قیام رہا رب اوزعنی العمل الصالحاً۔ آمین ۔

۲۷ ر اکتوبر: تبلیغی واحباب کے مشورہ پر ہندوپور آیا۔ چیرمن عبدالوحید واحباب جماعت سے ملاقات وخطاب رہا۔ پھر جمعہ تک رہنے کا اصرار رہا اور خطبۂ جمعہ 'اذ ابتلیٰ ابراہیم' پر رہا سامعین کافی متاثر رہے۔

اس طرح ساکنان چامراجنگر کی شفقت و ہمدردی کے ساتھ تقریباً ۳۰ سال کے عرصہ تک چامراج نگر میں سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ جماعتی خدمات بھی انجام پذیر ہوتے رہے ۔ شہر چامراج نگر کے با اقتدار احباب کی دلی محبت، جماعت اہل حدیث کے بزرگ، انصاف پسند، کتاب وسنت کے علم بردار، دل میں جماعت کو بیدار رکھنے کا جذبہ رکھنے کے علاوہ اس میں مزید استحکام کے لئے کوشاں،

حسد و بغض سے منزہ دل علماء و اساتذہ کے لئے دلی محبت والے ایک ایک کر کے اپنے وقت مقررہ پر اس دنیا سے رخصت ہوتے گئے۔ مفسدین و حاسدین و اشرار کے کینہ کپٹ کے باعث جماعت میں ایک طرح کی پھوٹ کے آثار پیدا ہوئے جس کے باعث سروس کے آخری دنوں میں ہولے نرسی پور تبادلہ کروالیا، پھر چامراجنگر سے قریب نجنگڈھ کی گرلز سکول کو تبادلہ ہوا جہاں سے وظیفہ یابی بعمر ۵۵ سال، ۱۹۸۲ء میں ہوئی۔ جس کے بعد آپ خالص دینی خدمت میں مصروف رہے۔ جس کا ذکر اگلے باب میں کیا جا رہا ہے۔

والد صاحب سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ جماعتی خدمات بھی انجام دیتے رہے، وظیفہ یابی کے بعد بھی وہ جماعتی خدمت سے جڑے رہے۔ اپنے دور میں انہوں نے جو دینی و جماعتی خدمات انجام دیں اس کا تذکرہ ۱۹۹۲ء تک کا کیا ہے، جس کا ذکر علاقائی حیثیت سے اختصار کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ اس علاقہ میں جماعت اہل حدیث کا ارتقاء کن حالات میں ہوا اور وہ حضرات جو کتاب و سنت کی احیاء اور اس کی بقاء کے لئے کوشاں رہے ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ والد صاحب نے تاریخ کا یہ سلسلہ میسور سے شروع کیا ہے، ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد اس سرزمین پر دین کے نام پر جو شرک و بدعت کا بازار گرم رہا اس کی بیخ کنی کے لئے دین داروں نے جو کوشش کی اس کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

باب ۵

تاریخ اہل حدیث

۱۔ شہر میسور ۱۳۵
۲۔ مولانا سید احمد عرف شاہ صاحب ۱۳۷
۳۔ الحاجہ عابد النساء ۱۳۸
۴۔ حاجی میرا میر الدین قریشی ۱۳۹
۵۔ مولوی میر عبدالرحمٰن قریشی ۱۴۳
۶۔ اجتماع وانتخاب صدر ۱۴۳
۷۔ مسجد سلفیہ غوثیہ نگر ۱۴۴
۸۔ مسجد اہل حدیث گنڈل پیٹ ۱۴۶
۹۔ مسجد اہل حدیث ہنسور ۱۴۶
۱۰۔ مسجد اہل حدیث زنانہ چاٹی پور ۱۴۶
۱۱۔ سید عبداللہ صاحب ۱۴۷
۱۲۔ ضلع چامراجنگر ۱۴۷
۱۳۔ حاجی مدار صاحب ۱۵۰
۱۴۔ قاضی محمد حسین ۱۵۱
۱۵۔ محمد آدم صاحب ۱۵۱
۱۶۔ الحاج محمد ابراہیم صاحب ۱۵۲
۱۷۔ محمود خان صاحب ۱۵۲
۱۸۔ سید محی الدین صاحب ۱۵۳
۱۹۔ محمد عبداللہ صاحب ۱۵۴
۲۰۔ ہنسور ضلع میسور ۱۵۵
۲۱۔ نگرلہ ضلع میسور ۱۵۶
۲۲۔ ننجن گڈھ ۱۵۸
۲۳۔ گنڈل پیٹ ۱۵۹
۲۴۔ جناب دستگیر خان ۱۶۰
۲۵۔ چاٹی پور ۱۶۰
۲۶۔ ہونڈربال ۱۶۲
۲۷۔ مامبھلّی ۱۶۲
۲۸۔ تالواڑی (تمل ناڈ) ۱۶۳
۲۹۔ پانڈوپور ۱۶۳
۳۰۔ گرگیسوری، کل گُنی ۱۶۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

تاریخ اہل حدیث

(حالاتِ جماعت اہل حدیث ضلع چامراجنگر میسور منڈیا)

زیر نگرانی

عالی جناب مولانا عبدالوہاب جامعیؔ

سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ اہل حدیث کرناٹکا

مقالہ نگار

مولانا محمد عبداللہ صاحب جامعیؔ، سعیدیؔ

ناظم جمعیۃ اہل حدیث

ضلع چامراجنگر میسور منڈیا

شہر میسور:

پرسکون تاریخی خوبصورت شہر ہے۔ سیر و سیاحت کا مرکز ہے۔اس شہر کو دیکھنے کے لئے لوگ بہت دور دور سے آتے ہیں۔ تعلیم و تعلم، تہذیب و تمدن، اور ثقافت کا مرکز ہے۔ بنگلور سے ۱۴۰ کیلومیٹر پر واقع ہے۔ یہ وڈیر خاندان کے حکمرانوں کا صدر مقام تھا۔آج بھی اس دور کے راجے مہاراجاؤں کی شان و شوکت کو اجاگر کرنے والے عمارات، محلات، خوبصورت باغات وسیع و عریض سایہ دار راستے، مساجد، منادر، قدآدم مجسمے، گرجا گھر شہر کی زیب و زینت میں اضافہ کئے ہوئے ہیں اور ان بڑی اچھی دیکھ بھال بھی ہو رہی ہے۔ وڈیروں کے دور حکومت میں شہر میسور کی شان و شوکت انتہا کو پہنچ چکی تھی۔شہر میسور کی سیر و سیاحت ماہ اکتوبر میں انتہائی دیدہ زیب ہوتی ہے جبکہ یہاں دس دن تک دسہرہ کا مشہور تہوار منایا جاتا ہے۔اس موقع پر میسور کے محل کو برقی قمقموں سے بقعہء نور بنا دیا جاتا ہے۔شہر کے اہم راستوں کو کمانوں سے سجا کر ان میں بھی بجلی کے قمقمے لگائے جاتے ہیں۔رنگین کپڑوں میں سجے سنورے لوگ ثقافی پروگراموں میں حصہ لیتے ہیں۔جن میں قدیم موسیقی، عوامی رقص، بھرتنا ٹیم، یکشگانہ، ہتھری، ٹارچ لائٹ پریڈ، تپّو تسوا مشہور ہیں۔اس موقع پر دسہرے کے آخری دن یعنی دسویں دن سب سے زیادہ موثر اور دل موہ لینے والا دسہرہ جلوس ہوتا ہے۔جس میں سجے سجائے ہاتھیوں پر ۵۰۰ سو کیلو وزنی سونے کا ہودہ نکلتا ہے۔اس جلوس میں سجے سجائے گھوڑے شاندار گاڑیاں، جلوس کے لئے مخصوص یونیفارم پہنے ٹروپس، عوامی رقص کرتے پرے کے پرے اور رنگا رنگ مختلف نمونوں کی جھانکیاں دیکھنے کو ملیں گی۔ میسور کا موجودہ محل (۱۹۱۲) بڑا خوبصورت محل ہے۔ یہ محل اسلامی طرز تعمیر کا ہے۔ یہ گنبدوں، کمانوں، میناروں اور برجوں سے سجا ہے۔ یہ محل نفیس نقاشی اور فن کا خزانہ ہے۔اس محل کی تعمیر میں دنیا بھر کے کاریگروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔اس محل کے منقش دروازے، پر تکلف کمروں میں کھلتے ہیں۔

شاہی دربار ہال مزین چھت اور منقش ستونوں سے سجا ہے۔ دسہرہ تہوار کے موقع پر یہاں وڈیر خاندان کی شان وشوکت کا مظہر اور فرماں روائی کی نشانی، شاندر جڑاؤ سونے کا شاہی تخت دیکھا جا سکتا ہے۔ دیگر عام دنوں میں اور عام تعطیلوں کے مواقع پر محل کی لائٹنگ تھوڑے وقت کیلیئے کی جاتی ہے تا کہ سیاح اس منظر سے لطف اندوز ہوسکیں۔

میسور ذو: شاہی سرپرستی میں، اس کی تاسیس ۱۹ ویں صدی میں ہوئی۔ یہاں درندوں، چرندوں اور پرندوں کے نایاب نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ نایاب جانوروں کی افزائش نسل کے لئے یہ جگہ مشہور ہے۔**کے۔آر۔ساگر** میسور سے ۱۹ کیلو میٹر کے فاصلے پر شمال مغرب میں واقع ہے بند کے نیچے خوبصورت برنداون باغ ہے ہلکی موسیقی کے ساتھ رقص کرنے والے فوراے اور زیر آب رنگین بجلی کے لائٹ لائق دید خوبصورت نظارہ پیش کرتے ہیں۔ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ یہاں تفریح کے لئے آتے ہیں۔

مرکزی مسجد اہل حدیث سلفیہ اشوکہ روڈ میسور

مولانا الحاج سید احمد صاحب عرف شاہ صاحب

شہر میسور میں عالی جناب مولانا الحاج سید احمد صاحب عرف شاہ صاحب یہاں کے دینی و مانی اہل حدیث ہستی ہیں جن سے اہل حدیث کی بنا پڑی اور آپ اس دینی پیغام کو پہنچانے میں ہر حیثیت سے کوشاں رہے اور بڑی جد و جہد سے کام لیا۔ اہل حدیث کا پیغام شہر میں پہنچتا تو بدعتی حضرات سخت سست کہتے اور گالی گلوج سے کام لیتے۔ محلّہ اریگرہ وسنّی چوک شرک و بدعت کا مرکز تھا۔ ہر قسم کے شرک میں ملّت ڈوبی ہوئی تھی، یہاں تک کہ نیاز کے چراغ لاتے جو خالص گھی کے ہوتے تو آپ خود ان گھی کے چراغوں کو چوس لیتے، جس سے بدعتیوں میں مشہور ہو گیا کہ یہ شاہ نہیں بلکہ چراغ چاٹو ہے۔

جب آپ نماز پڑھتے تو کھڑکی سے سانپ و مینڈک لاکر ڈال دیتے اور بیت الخلاء جاتے تو وہاں بھی گندگی میں ملوّث کر دیتے۔ بہر حال تکلیف مالا یطاق تھی جس کو بخوبی سنت سمجھ کر سہتے جزاہٗ اللہ۔ باوجود ان تکالیف کے بھی بڑی سیدھی سادی و مقامی زبان میں تبلیغ دین وتوحید کا پرچار اور مسلک اہل حدیث کی بات پیش فرماتے۔ صرف شہر میسور میں ہی نہیں اطراف ضلع میں بھی آپ کی تبلیغ جاری رہتی چنانچہ چامراجنگر کے اجلاس و کانفرنس منعقدہ ۲۱/جون ۱۹۳۲ جو زیر صدارت سید عبد الواجد صاحب سبزواری ڈپٹی کمشنر میسور ہوا تھا آپ نے حالات جماعت اہل حدیث میسور پر بڑا پُر درد صبر آزما مضمون پر اظہار خیال فرمایا جو بڑا پُر اثر رہا، نیز آپ کا تبلیغی سفر ہندوستان کے مختلف مقامات پر ہوتا رہتا تھا حتّیٰ کہ شہر بمبئی جیسے مقام میں بھی آپ کی تبلیغ ہوتی، بمبئی کے مدرسۂ ضیاء العلوم کے خدمات اور اس کے نام سے متاثر ہو کر آپ نے شہر میسور اریگرہ محلّہ میں بنام مدرسۂ محمدیہ ضیاء العلوم کے نام سے اجراء فرمایا جس میں دینی وتوحیدی تعلیم جاری رہی۔ اسی مدرسہ کے لئے تبلیغی سفر کا سلسلہ رہا کرتا۔ آخر سفر کی وہ گھڑی آن پہنچی جس سے کسی کو مفر نہیں، مدرسہ کے سفر و تبلیغی سلسلہ میں ناگپور گئے ہوئے تھے، وہیں آپ کا انتقال ہوا جس کی اطلاع اخبار اہل حدیث کے ذریعہ ملی۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے

میں۔آپ ہی کے اثر وتوحیدی تبلیغ سے یہاں کے بارسوخ ہستی الحاج امیر الدین قریشی و برادران قریشی نیز ان کے زیر اثر چودھری محمد الیاس صاحب،عبدالوہاب صاحب،عبدالغفار خاں مظہر صاحب، عبدالحمید بنتوری صاحب،علی خاں صاحب، وعبدالغفور صاحب ٹن میکر وغیرہم قابل ذکر ہیں جو تمام شاہ صاحب کے مداح وزیر اثر تھے۔آپ کے بعد واقعی آپ کی بڑی صاحبزادی جنابہ سیدہ عابدالنساء جو اہل علم وصاحب ملازمت سرکاری اردو کی تھیں اس سلسلہ دینی وتبلیغی کو برابر بحیثیت مدرِّسہ ومستورات میں دینی رجحان وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اوراس کوتادمِ زیست قائم رکھا۔

سیدہ الحاجہ عابدالنساء مرحومہ:

سیدہ عابدہ ایک دین دار متین شخصیت کی مالکہ تھیں جو تبلیغی وتوحیدی پرچار میں خاص کر مستورات میں زیادہ مقبول تھیں۔ان کے دینی اجتماعات مختلف مقامات پر شہر میں رہتے۔شہر میسور میں مستورات کا مسجد میں آنا جمعہ، جماعت،تراویح وغیرہ میں شرکت معیوب سمجھی جاتی تھی مگر اس شیر دل خاتون نے ان چیزوں کو توڑا،مستورات کی کثیر تعداد شروع میں پردہ کے ساتھ جماعت میں آنا شروع ہوئی، پھر نئی مسجد تعمیر ہونے کے بعد اوپر حصہ میں مستورات کی جماعت کا سلسلہ جاری وساری ہے۔مرحومہ اپنے آخری سانسوں تک اس کے لئے محنت کرتی رہیں۔

آج ان کے جان نشین صاحبزادی سیدہ امتہ الجلیل رضوانہ و دیگر دردمندانِ تبلیغی، جنابہ شمشاد بیگم، عظیم النساء،محمودہ بیگم، ٹی۔نور جہاں، ونور جہاں وغیرہ برابر چلا رہی ہیں۔رب قبول فرمائے علاوہ ازیں ضلع کے وضلع کے مختلف مقامات میں بھی عورتوں کی جماعت لے کر چلتیں وتبلیغ فرماتیں۔نیز میرے رفیق حج بھی رہیں۔۱۹۸۸ء میں وہاں بھی میں نے دیکھا کہ کثیر مطالعہ عورتوں میں دینی چرچاو مسائل حج پر باتیں برابر سمجھاتیں اسی طرح آخردم تک برابر یہ کام جاری رہا۔اب وقت آن پہنچا جو تمام کو آنے والی گھڑی یعنی ۲۰؍رمضان المبارک کو بروز جمعہ آپ کا انتقال ہوا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔آپ

کی انسیت ومحبت کا تقاضا اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ کے انتقال کی خبر شہر میسور و اطراف خصوصاً خواتین میں پہنچی تو تمام مرد وزن کی اتنی کثیر جماعت تھی کہ جس کو مثالی جماعت کہنا چاہیئے، نماز جنازہ میں شرکت کی۔خدا مغفرت فرمائے آمین۔

حاجی میرامیرالدین قریشی صاحب:

آپ کا ذکر اس لئے بھی اہم ہے کہ شروع میں بہت ہی بڑے بدعتی حضرات میں سے تھے۔ یہاں تک کہ مبلغ موّحد جناب سید احمد عرف شاہ صاحب کو ستایا دکھ دیا اور وقت آیا کہ آپ اس موقع پر موّحد اعلیٰ ہو کر جماعت کے امیر اور سردار اہل حدیث بنائے گئے۔آپ کا مقام میسور کے مقتدر و بارسوخ حضرات میں شمار ہوتا تھا۔مہاراجہ کرشناراج وڈیرآپ کے گہرے دوست تھے۔آپ فن کشتی میں مہارت رکھتے تھے اور اکثر پہلوانوں کے اکھاڑے آپ ہی کے زیر نگرانی چلتے تھے۔ یہاں تک کہ شہرۂ آفاق دسہرہ کی دس دن کی تقریب میں سابق میں جو کشتیاں ہوا کرتی تھیں تو آپ ہی یہاں کے سرگروہ ہوتے اور فیصلہ مہاراجہ کی درباری نگرانی میں فرماتے اور تمغہ جات سے نوازتے۔

ایسے میں ایک حد تک دین داری بھی تھی مگر غالب دنیا داری ہوا کرتی اور خوشامد پسندی کہی جائے تو بے جا نہ ہوگا حق بات ذرا مشکل سے گوارا ہوتی تاہم برداشت کر جاتے۔زمانۂ بیماری میں ایک وقت کی بات ہے کہ ایک مرتبہ رفیق ودینی بزرگ جناب محمود خان صاحب مرحوم کی صدارت میں بندہ کی تقریر اور سید عبدالرحمٰن صدر ضلعی وقف کمیٹی کی تقریر رہی، بزیر نگرانی مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم ایرنگیرہ (بانی مولانا سید احمد شاہ صاحب) تبلیغی جلسہ منعقد ہوا ہماری شرکت ناگوار گذری اور فوراً بذریعہ رجسٹری خطوط مجھے اور مرحوم خانصاحب پر ان کی ساری روئداد گذشتہ تحریر میں لائی گئی گذری اور شکایت رہی کہ آپ حضرات کو نہیں شریک ہونا چاہیئے تھا میں نے جواباً عرض کیا کہ صدر محترم ہم نے ایک دینی خدمت سمجھ کر اس میں شرکت کی ہے دوستی یا دشمنی کی بات نہیں رہی۔کہا کہ مجھے بھی یہی ارمان رہ گئی کہ خانصاحب کی

صدارت میں ایک جلسہ کروں اور آپ کی تقریر ہو۔ بہر حال بات آئی گئی ختم ہوگئی۔ مرحوم دل کے صاف اور حق گو تھے جو بات بھی ذرا دل میں کھٹکی فوراً بلا شبہ کہہ گذرتے۔

جماعتی الفت:۔

جونہی احقر کی بات ملازمت کے سلسلہ کا قیام چامراج نگر سے متعلق معلوم ہوا تو بہت مسرور ہوئے اور اکثر تبلیغی جلسوں میسور، پانڈوپور نگرلہ دورہ رہا کرتا اور بنفس نفیس ہم تمام جماعتی احباب متولی محمد آدم صاحب، محمود خانصاحب، حاجی محمد ابراہیم صاحب شرکت فرماتے اور آپ جماعت اہل حدیث ضلع میسور کے صدر ہونے کے بعد، جماعت نگرلہ، گنڈل پیٹ، پانڈوپور وغیرہ اپنے صرفہ سے کچھ خاص دینی خدمتیں رہیں اور جماعتِ اہل حدیث چامراج نگر کو ہر اولین مشورہ پر ساتھ لیا کرتے، کام کرتے کراتے خود اپنے صرف خاص سے کار کے ذریعہ مقامات مذکور پر اکثر جماعتی دورے اور مشورے دیتے اور دلواتے۔ اسی اثر کو لے کر میں نے ایک مضمون ۱۹۵۸ء اخبار اہل حدیث میں آپ کے بارے میں لکھا تھا کہ آپ حاجی ہونے کے بعد جو رواجی کمر پٹہ میسور مہاراجہ کے دربار میں داخلہ اور درباری غلامی بننے کی نشانی تھی باندھنے سے انکار کر دیا تھا اور جب شاہ سعود الاوّل میسور آئے تو بڑے اہتمام کے ساتھ استقبال کیا اور تحفہ پیش فرمایا۔ آپ ہی کے بیان کے مطابق جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے صندل کی ایک صندوقچی میں قرآن مجید اور خنجر تحفہ میں پیش کیا تو شاہ نے فرمایا ’یہ کیا؟‘ تو آپ نے جواب دیا تھا کہ ’آپ قرآن پاک پر عمل کروایئے ورنہ کام نہ چلے تو تلوار اور خنجر سے کام لیجئے۔‘ اس پر شاہ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور مبارک باد دی۔ اسی زمانے میں قبروں کو توڑے جانے کا فتنہ سعودی میں اٹھا تھا تو آپ نے بھی اس وقت تائیدی طور پر کہا کہ واقعی یہی حضور کی سنت ہے جو کرنا چاہئیے۔ سعودی وحجازی حکومت سے تو آپ کو قلبی لگاؤ تھا اور یہی سلسلہ آپکا عقیدت کے لحاظ سے جماعتی وسلفی عقیدہ مضبوط تھا۔ اور علمائے جماعت اہل حدیث میں خصوصاً ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد جونا گڈھی، مولانا عبدالحنان ایڈیٹر اہلحدیث گزٹ، مولانا سورتی تک رہا۔ نیز جب مولانا محمد داؤد رازؔ نے قرآن

مجید ثنائی کی طباعت کی بات لکھی تو مسرت سے اچھل پڑے اور مسلسل مولانا مرحوم کی محبت کا ثبوت آپ مولانا راز کو خطوط کے ذریعہ دیا اور طباعت سے پیشتر اپنی جانب سے پیشگی رقم قرآن مجید کی، بمبئی مومن پورہ روانہ کی۔

گنڈل پیٹ میں مولانا محمد جونا گڈھی:

آپ جب یہاں جلسہ میں تشریف لائے تھے جس میں سی۔عبدالحکیم رئیس مدراس، اہل بنگلور جماعتی سردار وغیرہ آنا ہوا تھا تو اس میں بھی آپکا بڑا حصّہ تھا اور یہاں کی مسجد وغیرہ کے بارے میں رئیس مدراس وحاتم جنوب سی عبدالحکیم صاحب مرحوم کی صدارت میں جلسہ ہوا تھا تو آپ نے مذکورہ جماعت کی تائید کے لئے اپنی طرف سے مکمل تائید کا اعلان فرمایا اوران کے مرحوم ہونے کے بعد بھی ان کے جان نشینوں کواس تائید کو لینے کی توجہ دلائی مگر یہاں کی جماعت نے کان نہ دھرا تو بات یوں ہی رہ گئی۔

ثنائی قرآن مجید بمبئی:

اخبار اہل حدیث، اخبار محمدی و دیگر جماعتی رسالہ آپ کے ہاں جماعتی حیثیت سے آتے اور مطالعہ بھی اچھا تھا اور ایک رسالہ اپنی طرف سے نکاح بیوگان کے نام سے شائع کیا تھا، جونہی ثنائی قرآن مجید کا اعلان اخبار اہلحدیث وترجمان دہلی سے اشاعت ادارۂ دینیات بمبئی سے مولانا الحاج محمد داؤد راز سے شائع ہوا تو اس طرح قرآن پاک طبع ہو رہا ہے تو اپنے اولین فرصت میں بھیجنے کی درخواست کی اسی طباعت کی تاریخی یادگار کو قائم رکھتے ہوئے میں نے اپنے تیسرے صاحبزادے کا نام محمد ثناء اللہ رکھا تاکہ یہ تاریخ طباعت اس طرح قائم ہو۔

آپکے جماعتی خدمات: ضلع میسور

آپ، جماعتی خدمات ضلع میسور کے لحاظ سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ ہر کوئی کام جو جماعتی جھگڑے نیز جماعتوں سے ہوتے تو اس میں آپ کا نمبر پہلا آتا اور تمام دوڑ کر آپ کے پاس آتے اور مشورہ جماعتی وحکومت کے ساتھ کرتے اور مسئلہ حل ہو جاتا۔ چاہے چامراج نگر کے فسادات کا ہو یا پانڈو

پور کے مڑی و جماعتی مسائل کا ہو یا نگرلہ کے جماعتی مسائل کا ہو سب کا حل ڈھونڈ نکالتے اور سنبھالا دیتے نیز گنڈل پیٹ کے جماعتی وقف شدہ مکانات کا ہو یا مقامی میسور کے اختلاف حنفی اہل حدیث کے ہوں برابر حصہ لیتے اور تائید فرماتے۔

احباب جماعت اہل حدیث میسور کو سدھارنے اور جماعتی اصلاح کی کوشش تاحین حیات کی گئی۔ اکثر بعد جمعہ گفتگو بندہ کی موجودگی میں رہتی۔ خدا بہتر گواہ ہے کہ اس سلسلہ میں کتنی بار چھٹی لے خطبۂ جمعہ میں مع محمود خان کے گئے اور اپنا خرچ اور وقت دینے کے باوجود خاص کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔

سیاسی خدمات:

سیاسی خدمات میں سخت ترین کھدر پوش کانگریس سے منسلک تھے، مولانا آزادؒ، مولانا واستاذ ابو القاسم سیف بنارسیؒ و مولانا ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا داؤد غزنویؒ وغیرھم سے مذہبی و سیاسی حیثیت سے منسلک تھے اور شہر میسور کے خاص مہاراجہ کے چاہنے والوں میں اور پہلوانی کے اکھاڑے کے سردار کہلاتے تھے جس کی خود گواہ میسور کے پہلوان دنگل میدان میں باقاعدہ پہلوانوں کے ساتھ لیس۔ چینیا اور ان کی لگی ہوئی تصویر ہے۔ نیز سیاسی حیثیت اور کاروباری حیثیت سے بھی خاص مقام رکھتے تھے اور ہر اٹکا ہوا کام فوراً بذریعہ فون دنوں اور گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہو جاتا جو میرا چشم دید واقعہ ہے۔ اس طرح آپ کی مسلسل خدمات سے سارے ضلع میں جانے جاتے تھے۔

اسی اثناء میں بیمار رہے اور اثنائے بیماری میں برابر اپنے متبنّٰی بیٹے میر بشیر احمد قریشی کو اکثر کاروباری و دینوی نصیحت فرماتے۔ بیماری کے باعث کے۔ آر۔ ہاسپٹل سپیشل وارڈ میں داخل ہوئے اور بیماری سے اتنے نحیف ہو گئے کہ پہچاننا مشکل ہو گیا۔ وہ جو خود پہلوان اوروں کو اکھاڑے میں اچھاڑ پچھاڑ کرنے والا آج اتنا نحیف کہ سارے اعضاء جواب دے گئے۔ زندگی کے آخری دور میں شری کے پٹ سوامی وکیل و سکریٹری ضلعی کانگریس کمیٹی کے مشورہ پر ایک وِل (Will) وصیت بذریعہ رجسٹر کروا کر اپنی ساری جائداد کا وارث بنایا۔

آخر وہ گھڑی آن پہنچی جو سب پر آنے والی ہے۔آپ کا انتقال کے آر ہاسپٹل میں صبح آٹھ بجے بروز جمعرات مورخہ ۸/جولائی ۱۹۵۸ء میں ہوا۔آخری دیدار کے بعد جنازہ مسجد اعظم لے جایا گیا۔برادرم میر بشیر احمد قریشی اور آپکے پھوپھا جناب دستگیر صاحب متولی مسجد عیدگاہ نے فرمایا کہ جنازہ کے پڑھوانے کی وصیت آپ ہی کے ذمہ ہوئی ہے۔مگر عبدالرحمٰن قریشی بضد ہوئے کہ نہیں میں کروں گا چنانچہ پڑھوادیا اور بندہ برابر نماز اور آخری تدفین تک شریک رہا۔پھر رات بشیر احمد قریشی کے ہاں قیام کر نماز جمعہ وخطبہ دے کر واپسی چامراج نگر رہی۔خدا مغفرت فرمائے بڑا نیک اور جوانمرد تھا۔

برادرِ صغیر مولوی میر عبدالرحمٰن قریشی:

آپ مولانا جوناگڈھی کے تلامذہ مدرسہ محمدیہ باڑہ ہندوراؤ دہلی کے ہیں کافی مقامات پر تبلیغی دورے توحید وسنت کے لئے ہوتے اور آپ نے ایک مدرسہ توحید وسنت کا بھی جاری کیا تھا جس کے آپ ذمہ دار تھے،سفیر وناظم کی حیثیت سے خدمات فرماتے رہے۔(ان کی نواسی ڈاکٹر جہاں آراء بیگم کرناٹکا اوپن یونیورسٹی میں صدر شعبہء اردو کی خدمات انجام دے کر حسن وظیفہ پر سبکدوش ہوئیں۔میسور میں مقیم ہیں۔مرتب کی یم اے اردو میں ہم جماعت رہیں اور شعبہ کے بہت سی کاروائیوں میں ساتھ رہا)

اجتماع وانتخاب صدر ضلع میسور ومنڈیا:

آپ (میر امیر الدین قریشی صدر جماعت) کے مرحوم ہونے پر مختلف جماعتی افراد چامراج نگر، گنڈل پیٹ،نگرلہ،پانڈوپور،چاٹی پور،ہنسور وغیرہ کے دردمندان جماعت کا اجتماع رہا کہ آخر آگے کیسے جماعتی کام چلے۔مختلف رائے ہوتی رہیں۔اتفاق رائے سے آپ کے چہیتے ودردمند بھتیجہ **جناب میر بشیر احمد قریشی** کو مورخہ ۱۸/ماہ جولائی ۱۹۵۸ء عارضی صدر ومتولی مسجد ایرنگیرہ مقرر کیا گیا جس کا ریکارڈ اب تک تحریری موجود ہے ۲۸/جولائی ۱۹۵۸ء کو بحیثیت صدر جمعیۃ اہل حدیث میسور ومنڈیا منتخب کرلیا گیا۔ضلع میسور و دوسرے کام جو وقف بورڈ سے متعلق یا جماعتی اختلاف کے ہوں برابر آپ بھی اپنے سابق مرحوم صدر کی طرح کریں۔

جونہی آپ نے صدر کی حیثیت سے ذمہ داری لی برابر جمعہ وغیرہ میں شرکت اور مواعظ حسنہ کا انتظام اور رمضان کے طاق راتوں کا انتظام بخیر وخوبی ہوتا اور ہر کام جماعتی مشورہ و منتظمہ کمیٹی کے تحت چلاتے اس طرح انکی خدمات بھی ہوتی رہی۔ آخر وہ وقت بھی آن پہنچا جس سے کسی کو مفر نہیں آخر موت نے انکو آلیا مورخہ ۹ / ماہ دسمبر ۱۹۷۴ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث رات ۳۰۔۱۰ بجے وہ بھی چل بسے انا للہ انا الیہ راجعون۔ پس ماندگان میں چھوٹے بھائی زاہد قریشی، دو بیویاں بڑی بیوی کے دو صاحبزادے شعیب، حسیب اور چار صاحبزادیاں ہیں سب کی سب اعلیٰ تعلیم یافتہ، اچھی جگہ بیاہی گئیں اور چھوٹی بیوی ڈاکٹر انیس سے ایک صاحبزادہ اقبال ہیں۔ بعد ازیں ایک منتظمہ کمیٹی بنی جو وقف بورڈ سے رجسٹر ہو کر ہے۔ بہر حال جیسے بھی بہتر کام چل رہا ہے ۔ اللّٰھمّ انصر آمین۔

سید عبداللہ بیڑی فیکٹری، نائب صدر منتظمہ کمیٹی کی کوشش:

آپ نے ایک تجویز میرے سامنے لائی اور فرمایا کہ مولانا مسجد ایرنگیرہ شکستہ ہوتی جارہی ہے۔ انشاء اللہ بنگلور میں بڑا اجلاس انتخاب جماعت اہل حدیث کا ہو رہا ہے جس میں شیوخ عرب اور امراء و روساء جماعت آئیں گے بہتر ہوگا کہ ایک پمفلٹ اردو اور انگریزی اشاعت فرما کر جماعت تک شنوائی کریں چنانچہ اس تجویز پر عمل ہوا اور ہماری آواز و تحریر سے ماشاء اللہ مولانا مختار احمد، امیر جماعت و عبد الوحید صاحب مرحوم امیر جماعت و انجینیر عبد الحفیظ صاحب بلہاری وغیرہ سے دو بدو ملاقات ہوئی۔ پلان و یسٹیمٹ بھیجنے کی بات چلی جو بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی نگرانی میں بہتر سے بہتر کام چلا۔ دو منزلہ مسجد معہ زنانہ تیار ہوئی جس میں مستورات کا باقاعدہ انتظام، تراویح، جمعہ، جماعت کا اہتمام ہو رہا ہے رب قبول فرمائے۔

مسجد اہل حدیث السّلفیہ غوثیہ نگر میسور:

شہر میسور سے کافی فاصلہ پر اپنی جماعت کی کثیر تعداد جھونپڑ پٹی و بیڑی مزدوروں پر مشتمل تھی اس

طرف توجہ دلائی جو منظور نظر ہوئی کام کی تکمیل ہو کر جمعہ و جماعت وتراویح مرد و عورتوں کی چل رہی ہے۔ جس کا مشورہ مولوی رؤف احمد صاحب اور آپکے خیال کے بعد چامراج نگر آکر اس خدمتِ جمعہ واجتماع زنانہ کا یہ حقیر انجام اللہ دے رہا ہے۔عورتوں کے دو جگہ کے اجتماع کی تکمیل کے بعد چامراج نگر واپس ہوتا ہوں۔رب قبول فرمائے اور آخرت کا ذخیرہ بنائے آمین۔

مسجد اہل حدیث السّلفیہ غوثیہ نگر میسور

مسجد تقویٰ و مدرسہ للبنات غوثیہ نگر میسور

مسجد اہل حدیث گنڈل پیٹ:

اس کے بعد آپ خاموش نہ رہے بلکہ رفتہ رفتہ مساجد کا سلسلہ ضلع میسور میں آپکی نگرانی ومشورہ سے چلتا رہا۔ایک اجلاس میں مولانا مختار احمد ندوی تشریف لائے تو گنڈل پیٹ کی بات رہی ۔ ماشاء اللہ وہ بھی تیار ہوکر دو منزلہ بنی جہاں مردوزن برابر جمعہ وتراویح وطاق رات وغیرہ میں شرکت فرماتے رہتے ہیں۔

مسجد اہل حدیث ہنسور:

ضلع میسور ہی کا ایک تعلقہ ہے جس کی بنیاد مذہبی حیثیت سے ایک بزرگ جماعت مرحوم عبدالرحیم صاحب والد حاجی عبدالغفور صاحب زمیندار تھے ۔آپ شاہ صاحب کے زیر اثر موحد خدا پرست اہل حدیث تھے باوجود اس شہر میں تنہا ہونے کے برابر سنت کے مطابق نماز ادا ہوتی تھی ۔آپ کے بعد رفتہ رفتہ آپ کی اولاد پھران کے زیر اثر نوجوان (شبان) کی ایک جماعت تیار ہوئی جو اہل حدیث ہونے کے علاوہ مسجد کی خدمت پر بھی خاص توجہ للہ ہونے لگی جس کا اثر یہ کہ جو پلان سید عبداللہ صاحب میسوری نے کیا تھا جو اصلاح المساجد کے زیر نگرانی منظور ہوئی اور تیاری کے بعد پہلی تراویح وجمعہ جماعت ہورہی ہے۔رب قبول فرمائے۔

مسجد اہل حدیث برائے زنانہ چاٹی پور:

پھر ایک پلان ماشاء اللہ برائے چاٹی پور جو ایک قدیم جماعت اہل حدیث کا مقام ہے مکمل گاؤں اہل حدیث ہے اس پر توجہ ہوئی۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس کا پلان بھی زنانہ مسجد وصحن مسجد کے سلسلہ میں جاچکا ہے وہ بھی انشاء اللہ منظوری کے بعد تکمیل ہوگا۔

سید عبداللہ صاحب نائب صدر اریگیرہ:

آپ ایک مخلص موحّد سید محی الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادہ ہیں جو ایک کٹّر اہل حدیث مشرک اور بدعتیوں کے دشمن خصوصاً مقبول احمد کشمیری کے سخت ترین مخالفین میں تھے۔ چامراج نگر کے قیام کے بعد میسور آ گئے تو پھر وہی رنگ رہا آج یہی انکی اولاد متدینِ ونمازی ہے۔ والد کی تربیت سے آپ میں دین داری و جماعتی جذبہ وخدمت دین کا چسکہ لگا ہوا ہے جو آج بھی اریگیرہ مسجد کے نائب صدر و مدرسۂ ضیاء العلوم مسجد سلفیہ غوثیہ نگر کے صدر ہیں۔ رب آپ کی خدمت کو قبول فرمائے۔ آپ ہی کے نقش قدم پر آپ کے صاحبزادے سید امان اللہ صاحب جماعت شبان ضلع میسور وشہر میسور ومسجد سلفیہ کے ذمہ داروں میں شمار ہے حتّی الامکان برابر توجہ اس دینی خدمت کی طرف چل رہی ہے خدا کامیابی دے اور مزید خدمت لے آمین۔

ضلع چامراج نگر:

یہ ضلع میسور کا جماعتی سب سے بڑا مقام بااثر اہل حدیث کا دینی مرکز کہلاتا ہے۔ احباب کا کہنا ہے کہ بنگلور کے بعد اگر کوئی مقام اور جماعتی کام مدرسہ کا ہو یا مسجد یا علمائے کرام کا تو پہلا پتہ چامراج نگر ہی کے دیتے اور آجاتے۔ یہاں کی قدیم جماعت کی ابتداء مولانا مرزا احمد بیگ مدرس چاٹی پور کی تقویۃ الایمان سے ہوئی جو کہا جاتا ہے کہ آپ مولانا فقیر اللہ صاحب مرحوم پنجابی کے تلامذہ میں تھے۔ آپ باوجود گورنمنٹ ملازم جنکی تنخواہ صرف چار روپیہ تھی کثیر جماعتی خدمت و بیداری فرمائی۔ آپ کا اور پھر ان کے شاگردوں کا اثر چامراج نگر، گنڈل پیٹ، نگرلہ وغیرہ رہا۔ آپ ہی کے شاگردوں میں حضرت سلیمان صاحب مشہور ہیں۔ پھر آپ کے صاحبزادے قاضی عبدالرزاق نگرلہ وغیرہ جن کی خدمتیں ان علاقوں کے لئے بڑی متدین کہلاتی ہیں۔

یہاں اپنی مسجد و مدرسہ کھر گپور محلّہ کے لحاظ سے مشہور ہے جو بڑا ہی قدیم مدرسہ ہے۔ آج بھی اس

کے تحت لڑکوں ولڑکیوں کی دینی تعلیم جاری ہے۔اس قدامت کی ایک رپورٹ ابوریاض سیدمحی الدین صاحب مدرس مدرسہ محمدیہ عربیہ چامراج نگروروئداد جلسہ انجمن اہل حدیث ومدرسہ محمدیہ کا چھٹواں سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۰رمئی ۱۹۳۲ء بزیر صدارت حضرت سید عبدالواجد صاحب سبزواری ڈپٹی کمشنر میسور ہوئی تھی جن کی تفصیل یہ ہے ۔صدر انجمن ومتولی حاجی محمد مدار صاحب سکریٹری جناب قاضی محمد حسین صاحب وصدرانجمن محمودخاں صاحب تاجر وسفیر سید پیر صاحب کا ذکر ہے۔اس کے بعد دوسری کانفرنس ہوئی جن کے روح رواں ومحبانِ خاص اور میرے تایا حضرت الحاج مولانا اسمٰعیل صاحب بانی جامعہ رائیدرگ کی تشریف آوری سے ہوئی تھی جو بڑا ہی عالی شان توحید کا اجلاس ہوا تھا جس میں سارے ضلع کے کیا حنفی کیا اہل حدیث سب شریک تھے جس کی بناء ومحنت جناب متولی محمد آدم صاحب ، وابراہیم صاحب،عبدالرزاق صاحب،عبدالحنان وعبدالمنان صاحبان کا ذکر خیر آتا ہے۔

مرکزی جامع مسجد اہل حدیث سلفیہ کھرگپور محلّہ چامراجنگر
والد صاحب نے یہاں ۳۰ سال امامت وخطابت کی

مسجد چار مینار اہل حدیث سلفیہ محلّہ احمد نگر

والد صاحب نے اس مسجد کے لئے جگہ خرید کردی تھی مسجد سے ملحقہ ایک چھوٹا گھر ہے

مسجد و مدرسۂ اہل حدیث سلفیہ رام سمدر چامراج نگر

حاجی مدار صاحب مرحوم:

آپ ایک متدین شخص اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ جو میرے استاد محترم کے بھائی ہیں مولانا قمر بنارسی پروفیسر جندوسی کالج کے حج بیت اللہ کے ہمراہی ہیں بڑے زمانے تک آپ کی یادگار اور جماعتی خدمت رہی ۔آپ کا شمار شہر کے رؤساء اور مشاہیر میں ہوتا ہے ۔ یہاں تک کہ دیوان میسور سر مرزا اسمٰعیل آپ کی خدمت میں اکثر و بیشتر آجاتے اور مختلف مشورہ ہوتے نیز کہا جاتا ہے کہ جس گلی میں بیٹھتے اور محلّہ جہاں قیام تھا وہاں کا تحصیل دار بھی اپنے جوتے اتار کر جاتا اور تعظیم کرتا مسجد و مدرسہ و جماعت کی خدمت ماشاءاللہ اچھی رہی ۔خدا قبول فرمائے آمین ۔

سرگذشت چامراج نگر کے مرتب محمد غوث اردو منشی ص ۳۹ میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ؎

’’ آپ کھڑگپور محلّہ کی ایک قدآور شخصیت تھے ۔آپ کا شمار اس شہر کے مالداروں میں ہوتا تھا۔ نہایت خلیق ، ہمدرد اور ملنسار تھے ۔آپ نے اس محلے میں چار مینار مسجد تعمیر کی اور خود ہی اس کے متولی بنے ۔اہل حدیث برادری کے لوگوں کی مالی حالت سدھارنے کے لئے بڑی کوشش کی ہے ۔قومی فلاح و بہبود کے کاموں میں بھی آپ دلچسپی اور سرگرمی سے حصہ لیا کرتے تھے ، ہمت افزائی بھی کرتے تھے ۔وہ مذہب کے پابند تھے اور غیر شرعی امور سے سخت نفرت کرتے تھے ۔وہ حضرت محمدؐ کی تعلیمات کو اصل مذہب سمجھتے تھے ۔اور ان پر کاربند رہتے تھے ۔ باقی فروعی مسائل کو ہیچ سمجھتے تھے ۔آپ شہر کے بڑے تاجر پارچہ اور کنٹراکٹر تھے ۔مال و دولت کی کمی نہ تھی ۔نہایت خوشحال زندگی بسر کرتے تھے ۔

آپ کی زندگی کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ان کا ایک مالدار ہندو دوست تھا۔اس کا نام گُرنج شیّٹی تھا وہ لا ولد تھا۔اس نے اپنی لاولدی کی شکایت کی تو آپ نے اسے مشورہ دیا کہ اگر تم ماہ رمضان میں غریب مسلمانوں کو مفت کپڑے دینے کی نیت کرلو گے تو انشاءاللہ تمہیں اولاد ہوگی ۔ چنانچہ اس نے مشورہ پر عمل کیا تو سچ مچ اسے لڑکا پیدا ہوا اس کا نام راجو رکھا گیا۔اس حسبِ وعدہ ہر سال غریب مسلمانوں میں مفت

کپڑے تقسیم کئے، اور تادم زیست اس پر کار بند رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی صاحب موصوف کو عطائے خداوندی پر کس قدر اعتماد تھا۔ افسوس کہ ان کی اولاد میں کوئی بھی ان کا جانشین بن نہ سکا۔ اس وقت صرف ان کے چھوٹے فرزند بنام حمید اللہ بقید حیات ہیں۔ حاجی صاحب کی دولت مندی ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد نے ختم کردی وہ مالے گرے تالاب کی اکثر زمینات کے مالک بھی تھے۔‘‘

(لے اضافۂ مرتب)

قاضی محمد حسین سکریٹری انجمن اہل حدیث:

آپ بھی یہاں کے ایک دین دار مخلص انسان سمجھے جاتے ہیں اور خانۂ خدا کی خدمت امامت و خطابت للہ انجام دیتے اور اس کا سلسلہ میرے یہاں ۱۹۵۳ء تک بھی جاری رہا۔ آپ کی اولاد بھی بڑی دین دار ہے آپ ہی کے بڑے پوتے جناب مشتاق احمد مرحوم نے موجودہ دومنزلہ مسجد پر بڑی محنت کی اور دوسرے پوتے جناب رفیق احمد بھی دین دار و خادم مسجد و خادمِ علماء ہیں اللہ اور زیادہ فرمائے آمین۔

محمد آدم صاحب مرحوم:

آپ بھی ماشاء اللہ پکّے دین دار و متقی خادم العلماء والدّین تھے۔ آپ کے تعلقات ۷؍سال سے احقر سے پدرانہ تھے۔ اگرچہ سابق میں مرحوم اپنے لحاظ سے بالکل ہی غیر اہل حدیث طریقہ پر تھے بعد ازیں موحّد و پختگی میں زبردست بن گئے اور مسجد کی خدمت کی ذمہ داری بعد مرحوم حاجی مدار صاحب کے متولی بنے تو شب و روز خانۂ خدا کی آبادی و ذرائع آمدنی پر غور فرماتے نیز ابتداء میں ہر قسم کے اختلافات جو جماعتی تنگ نظری سے گاہے ماہے پیدا ہوتے رہتے تھے برابر صلح پسند آپ اور محمود خانصاحب مرحوم رہتے اور مجھے بھی ناصحانہ انداز میں مختلف مشورہ دیتے رہتے اور خدمت مسجد کا شوق دلاتے رہتے رات کافی دیر تک مختلف پہلوؤں پر مسجد کے باہر گفتگو فرما کر مسجد ہی میں اکثر و بیشتر لیٹے رہتے اور آخر عشاء ادا کر پھر صبح بعد نماز فجر تلاوت بڑی بلند آواز سے باترجمہ فرماتے۔ اکثر شہر میں

مصالحانہ گفتگو میں ان کی شرکت اولین سمجھی جاتی۔آپ کے زمانے میں دوسری کانفرنس مولانا سید اسمٰعیل صاحب بانی جامعہ محمدیہ عربیہ رائدرگ کی بڑی کامیاب رہی اور نوجوانوں میں بشمول عبد الرزاق صاحب، حاجی محمد ابراہیم صاحب چینا بیڑی، ولی پیر، سیدو بھائی وغیرہ ہیں۔مورخہ ۲۰ رستمبر ۱۹۶۰ء میں انتقال کیا۔خدا غریق رحمت کرے اور آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین، ثمّ آمین۔

الحاج محمد ابراہیم صاحب مرحوم:

آپ کے یعنی متولی محمد آدم صاحب مرحوم کے بعد آپ مسجد کے متولی وخادم رہے۔آپ بھی دین دار ومتقی ہونے کے علاوہ اپنے محلّہ کے واحد اہل حدیث ہونے پر بھی آپ کے زیر اثر بہت سے لوگ اہل حدیث بنے۔علماء سے بڑا عقیدہ رکھتے تھے خصوصاً مجھ پر مولانا حمادؔ پر اور آنے والے علماء کے بڑے مہمان نواز وخادم رہا کرتے۔خدا بخشے۔

محمود خاں صاحب مرحوم:

آپ ایک بڑے متدینِ سخت ترین اہل حدیث تھے۔دراصل کوتّے گال علاقہ مدراس کی طرف سے مع اپنے بھائی دستگیر خانصاحب گنڈل پیٹ آ گئے تھے۔کاروباری لحاظ سے گنڈل پیٹ میں قیام رہا پہلے تو پکّے حنفی تھے۔تقویۃ الایمان کے مطالعے وغنیۃ الطالبین (تصنیف عبدالقادر جیلانی المعروف بہ پیران پیر) کامکمل تفصیلی مطالعہ کیا اچانک صبح کی نماز میں مسجد اہل حدیث گنڈل پیٹ آئے اور آمین و رفع الیدین کے ساتھ شروع کی بعد ازیں وہاں سے چامراج نگر تشریف لائے اور یہاں کی جماعت اہل حدیث کے سچّے خادم تن، من، دھن سے رہے۔ہر حیثیت سے بچشم خود میں نے دیکھا ہے کہ تادمِ زیست ہر سائل کو اور اپنے جماعتی علمائے کرام آتے تو پہلی اعانت کی رقم اپنی جانب سے دیتے کافی تسلی کرتے۔یہاں تک کہ مسجد کے دائیں جانب کمرے تیار ہو رہے تھے تو بارہا متولی آدم صاحب مرحوم نے شکایت کی تو کہا کہ آپ مزدوری کی فکر نہ کریں دعا کریں شام تک بازار سے آجاؤں گا۔شام آئے

اور حساب مزدوروں کا بے باق کر دیا۔ پہلے تو غالباً دوسری تجارت تھی مگر آخر میں گائے اور بیلوں کی سپلائی برائے اوٹی تجارت کرتے متولی مرحوم ابراہیم صاحب ودیگر جماعت اوٹی بڑی ممنون تھی کہ آپ بڑے مخلص انسان ہیں۔آپ سے مقامی جماعت کے علاوہ میر امیر الدین قریشی مرحوم و میر بشیر احمد قریشی کے ساتھ خاص تعاون رہا۔آپ ہی کے ذریعہ وصرف خاص دیگر تبلیغی دورے ہوتے رہتے تھے جماعت میسور کے ذاتی و جماعتی اختلافات خصوصاً محمد الیاس مرحوم، علی خاں مرحوم، مظہر علی خاں، و بٹوری مرحوم صاحبان سے جو چشمک رہتی تھی وہ برابر زندگی میں بھی رہی۔ میر بشیر احمد قریشی کے صدر چنے جانے کے بعد بھی یہ چشمکیں جاری رہیں صد افسوس کہ بات جہاں تھی وہیں رہی نتیجہ پھر یہاں تک پہنچا کہ وقف بورڈ کی نوٹسیں جاری ہوگئیں، پارٹی بازی اُدھر عبدالباری ابن سید احمد عرف شاہ صاحب میسوری سے شروع زندگی ہی میں ان کے اختلافات سے مرحوم برابر بدظن رہے۔ بہرحال مرنجان مرنج شخصیت اور حق گوئی میں جماعت میں ان کا ثانی کوئی نہ تھا۔ جماعت میں بڑی کھری کھری سنایا کرتے چاہے کسی کو برا لگے۔ خوف لومتہ لائم سے کبھی بھی دور نہ ہوئے بلکہ برابر تادم زیست رہتے اور اپنی ناصحانہ و بے باکانہ گفتگو سے ہر ایک کو محظوظ کرتے۔ مولانا سید اسمٰعیل صاحب رائیدرگی، مولانا سیف بنارسی مرحوم وقمر بنارسی مرحوم ومولانا ثناء اللہ امرتسری کے مداح تھے۔آپ کے ومتولی صاحب وعبد الرزاق صاحب وحاجی محمد ابراہیم صاحبان کے مشورہ ہی سے مسجد کی آمدنی کے کمرے بنے اور آمدنی کا راستہ ہوا۔افسوس کہ ایسی بزرگ ہستی کا مورخہ ۱۰؍مارچ ۱۹۶۴ء بروز منگل صبح ۱۱ بجے انتقال ہوگیا۔

مولوی سید محی الدین صاحب مدرس میسوری:

آپ ۱۹۳۲ء کی کانفرنس کے روح رواں تھے۔آپ شاعر بھی تھے اور مدرس بھی۔ جو مدرسۂ مذکورہ کی کافی خدمت کی۔ سنا ہے کہ آپ مولانا محمد صاحب جوناگڈھی کے شاگرد تھے۔آپ کی اولاد اکثر دین دار ونمازی ہیں جن میں بڑے صاحبزادے مولوی ابو رضوان محمد عطاء اللہ ہیں۔آپ ایک نابینا ہونے

کے باوجود اچھے واعظ ومقرر تھے۔ بڑی کھری سنایا کرتے تھے۔ آپ ہی کے صاحبزادے مولوی سید ولی اللہ شاہ عمری جو آج کل جماعت اہل حدیث ہنسور کے امام وخطیب ہیں اس طرح یہ دینی خدمت جاری و ساری ہے۔

الحاج مولانا محمد عبداللہ جامعیؔ سعیدیؔ:

سابق بزرگ مولوی مرزا احمد بیگ کی طرح جو چار روپیہ کے سرکاری ملازم تھے اور چاٹی پور آئے تھے دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کے ذریعہ چاٹی پور، چامراج نگر، گنڈل پیٹ، نگرلہ کو توحید کا تمغہ دیا اور اہل حدیث بنایا، اسی طرح یہ احقر مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۵۳ میں مونسپل ہائی سکول چامراجنگر اردو منشی کی حیثیت سے آیا۔ ابھی جماعت وشہری بھائیوں سے دینی و دنیاوی سلوک ہوتا رہا اسی آمد کو دیکھ کر وہی مدرسہ محمدیہ جو چل رہا تھا اخوانِ جماعت نے شہری مقتدر حضرات کو لے کر سلطان شریف صاحب کی بنی بلڈنگ میں جناب شیخ پیر صاحب رئیس مرحوم (S.P.S) جناب نور الحق جاوید صاحب مرحوم اور جناب انور پاشاہ صاحب مونسپل پریسیڈنٹ وغیرھم تمام شہری کمیٹی سے اس کی افتتاح رہی۔ اکثر طلباء وطالبات بعد نماز مغرب شہر کے مختلف محلّوں سے آتے، صبح شام مدرسہ چلتا۔ دینی تعلیم پاتے جس کا سلسلہ تعلیمی اب بھی مردانہ چل رہا ہے۔ رب قبول فرمائے آمین۔

یہاں میں نے اپنی گورنمنٹ نوکری کا سلسلہ جاری رہنے کے علاوہ باقی تمام بچے اوقات مدرسہ، مسجد رمضان اور نکاح خوانی تمام تر خدمات ماشاء اللہ تیس سال تک چلتے رہے۔ ملازمت کی وجہ سے تبادلہ ہوتے رہے مگر آج بھی آپ تمام کی دعاؤں سے دینی خدمات جاری ہیں جو ۱۹۹۲ء سے مسجد اہل حدیث اریگرہ اشوکہ روڈ میسور تو کبھی مسجد اہل حدیث سلفیہ غوثیہ نگر کی خطابت پھر دینی زنانہ اجتماعات کا اہتمام رہتا اس کے بعد چامراج نگر واپسی ہوتی ہے۔

ناظم ضلع میسور ومنڈیا:

کی حیثیت سے مختلف مقامات جماعت پر سفر رہتا۔ اجلاس کی تدوین ہوتے اور علماء کرام شرکت فرماتے جس میں مولانا داؤد رازؔ، عبد الجبار شکراوی، مولانا فضل الرحمٰن رہبرؔ پرتاب گڈھی، حافظ عبد المتین جونا گڈھی، مولانا مختار احمد ندویؔ اور مولانا عبد الوہاب صاحب جامعیؔ وغیرھم قابل ذکر ہیں جن کے اکثر خطابات ومواعظ ضلع میسور ومنڈیا میں ہوتے رہتے اور جماعتی بیداری کا سلسلہ جاری رہتا تا آنکہ مولانا عبد الوہاب جامعیؔ برادر صغیر نے پھر کرناٹک جمعیۃ اہل حدیث کی بیداری فرمائی اور مجھے بھی اپنے حلقۂ رُکنیت میں شامل کیا انہیں کے اشارہ وتحریر سے دونوں اضلاع مذکورہ کی تاریخ اہل حدیث پر روشنی ڈال رہا ہوں خدا قبول فرمائے آمین۔ اسی طرح ماشاءاللہ صاحبزادہ ڈاکٹر محمد صبغۃ اللہ صدر شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج ٹمکور ہیں جن کی کثیر تصانیف اردو کے ساتھ تصوف وصوفیائے کرام ہندو پاکستان پر بڑی معلومات افزاء کتاب لکھی ہے۔ اکثر تصنیف وتالیف وتحقیق کی دھن لگی ہے اسی طرح ان کے علمی خدمات جاری ہیں رب قبول فرمائے۔ مقامی حیثیت سے صرف چامراجنگر مسجد اہل حدیث کھر گپور محلّہ واحمد نگر، چار مینار ومسجد اہل حدیث رام سمندرم جہاں دینی مدارس بھی چل رہے ہیں اور جمعہ وجماعت کا کام بھی ہورہا ہے۔ اس کے علاوہ لمبی چھٹیوں میں ریاست وبیرون ریاست میں تبلیغی دورے بھی ہوتے رہے جن میں مدراس، ترچنا پلی، اوٹی، ہاسپیٹ، ادھونی، ہندوپور، ہری ہر، داونگیرہ، جیسے اہم مقامات پر، کئی مرتبہ ان جماعتی احباب کی دعوت پر کئی کئی دنوں تک قیام کرتے ہوئے تبلیغ کا کام جاری رہتا۔ سرسی، بنواسی، ہیگڈے کٹہؔ، بمبئی، گلبرگہ، صوبائی جمعیۃ اہل حدیث کرناٹک کے سلسلے میں تبلیغی سفر رہا جس میں مولانا داؤد رازؔ مولانا انعام اللہ فاروقی ناگپور وغیرہ کے ساتھ خطاب رہا۔ (سرسی، بنواسی، ہیگڈے کٹہؔ، یہاں تایا مولانا سید اسمٰعیل صاحب رایئدرگی کے رسوخ ومعتقدین خاصی تعداد میں ہیں رایئدرگ کی خدمت سے واقف ہیں) رب مزید ترقی دے آمین۔

ہنسور ضلع میسور:

ضلع میسور کا تعلقہ ہے جو ایک تاریخی شہر ہے۔ ارس خاندان (مہاراجہ کے) سے بھرا ہے۔ یہاں کی مشہور شخصیت دیوراج ارس ہیں جو مہاراجہ سے متعلق ہیں۔ انہیں کی صاحبزادی چندر پربھا یم۔ پی آج زبردست سیاست دان ہیں۔ یہاں اہل حدیث کی خاص مسجد و مدرسہ نہ تھا مگر کوشش برابر جاری تھی، کیونکہ یہاں شاہ صاحب ومیر امیرالدین قریشی کی صحبتوں میں رہ کر جناب عبدالرحیم ہنسور پکے موّحد و دین دار اہل حدیث بن گئے تھے۔ آپ تن تنہا اہل حدیث اس شہر میں تھے۔ آپ کے زیر اثر آپکے صاحبزادے حاجی عبدالغفار صاحب وچھوٹے صاحبزادے و دیگر رشتہ داران کے زیر اثر کچھ جمعیۃ شبان ہوتی، پھر مسجد و پلان کے تحت مسجد کئی لاکھ کی اصلاح المساجد سے بنی۔ اب ماشاءاللہ مستقل مسجد و مدرسہ کی شکل ہوگئی ہے اور امام وخطیب ومولوی شاہ ولی اللہ عمری ہیں جو خدمات انجام دے رہے ہیں اور شہر میں بھی اہل حدیث طبقہ کی ماشاءاللہ بیداری ہو رہی ہے۔ رب قبول فرمائے۔ آمین

نگرلہ ضلع میسور:

مسجد اہل حدیث سلفیہ نگرلہ

یہ بھی مشرقی جانب میسور سے پڑتا ہے ۔یہاں بھی جماعت کی بیداری حضرت سلیمان صاحب مرحوم کی وجہ سے رہی ۔ جونہی آپ تشریف لائے مرزا احمد بیگ کے شاگردوں میں تھے توحید وسنت کا چرچا رہا اور بڑے بڑے کٹّر بدعتی حضرات شرک و بدعت سے توبہ کر کے داخل توحید ہوئے اور اہل حدیث مکمّل گاؤں ہوتا گیا جس میں انجمن اہل حدیث محمد یوسف صاحب،عبدالوہاب خاں صاحب، عبدالکریم خاں بن عبدالکریم ٹیلر،محمد حسین ابراہیم صاحب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اپنی خاص مسجد لب سڑک ہے۔اس تحریک مساجد کے سلسلہ میں آپ جناب میر بشیر احمد قریشی،صدر جمعیۃ اہل حدیث بنائے جانے کے بعد خاموش نہ رہے برابر بمبئی و مدراس سے مولانا مختار احمد و مولانا رؤف احمد صاحب عمری سے منظوری وانجینیر پلان برابر جاری رہا جو اکثر فون پر بات ہوتی رہتی ۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ کام بھی مسجد کا تکمیل ہوا۔ ماشاءاللہ آج اصلاح المساجد کی وجہ سے بڑی کشادہ مسجد ہے جس میں دینی مدرسہ جمعہ و جماعت ہوتی ہے۔ پھر اندرون شہر دوسری مسجد بھی اہل حدیث ہی کی ہے وہاں بھی کثیر جماعت جمعہ وتر اوتح وغیرہ ہوتی ہے۔

اس طرح ماشاءاللہ اورتو مساجد کا انتظام بخیر وخوبی جماعت کے ماتحت چل رہا ہے۔آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے قاضی عبدالرزاق صاحب نے اس خدمت دین و جماعت کوانجام دیا۔ اکثر دینی ماحول میں طلباء وطالبات کی تیاری رہی جو آج بھی کرناٹک کے مختلف علاقوں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں جن میں آپ کے صاحبزادے جناب حبیب اللہ صاحب امام وخطیب چار مینار و مسجد اہل حدیث شری نواس پور میں انجام دے رہے ہیں ابھی حال میں ۲۵/دسمبر ۱۹۹۳ء کواہم اہل حدیث کانفرنس منعقد کی جو آپ ہی کی محنت کا نتیجہ تھی۔آپ کے اور مولوی وارث علی کے شاگردوں میں جناب عبدالحفیظ خانصاحب امام مسجد اہل حدیث ایرنگیرہ محلّہ میسور قابل ذکر ہیں۔

قاضی عبدالرزاق ایک متحرک شخصیت تھے جونگرلہ وچامراج نگر میں بھی اپنی دینی خدمتیں انجام دی آپ کے مرحوم ہونے کے بعد آپ کی اہلیہ بنت مولوی سید محی الدین صاحب میسوری دینی زنانہ مدرسہ

کی خدمات انجام دیتی رہیں۔

ننجن گڈھ:

مسجد اہل حدیث سلفیہ ننجن گڈھ

آپ ہی کے اثر سے ایک صاحب محمد ابراہیم صاحب نامی ننجنگڈھ میں تنہا اہل حدیث رہتے ہیں جو برابر جامع مسجد ننجن گڈھ میں آمین بالجہر کرتے اور نماز پڑھتے ہیں ،جن کو لوگ وہابی ابراہیم کے نام سے پکارتے ہیں اچھے اثر سے ماشاء اللہ کچھ حرکت نوجوانوں میں ہورہی ہے جس میں مسجد کی جگہ کی خریدی کے بارے میں بات پھر آگے بڑھی مشورہ کے ساتھ اصلاح المساجد سے مسجد کی تعمیر زیر غور ہے۔مخلصانہ دعا کہ رب اس علاقے میں جو ایک بدعت کا گڈھ ہے توحید کا پرچار اور اہل حدیث کا درمیانہ مقام بنائے اور دوام بخشے۔آمین۔(نوٹ: اب یہاں پر مسجد تعمیر ہوچکی ہے۔مسجد کی توسیع ہونے کے بعد زنانہ حصہ بھی بن گیا ہے۔)

گنڈل پیٹ:

مسجد اہل حدیث سلفیہ گنڈل پیٹ ضلع چامراج نگر

یہاں بھی ماشاء اللہ حضرت سلیمان صاحب چامراج نگری کا قیام رہا۔ وہی اہل حدیث کا چرچا رہا ۔ یکے بعد دیگرے بنتے رہے۔ اس لئے ایک مکان گوشت کی مارکیٹ کے قریب تھا مسجد کی شکل میں بنا۔ آمین بالجہر اور رفع الدین کے ساتھ نماز با جماعت شروع ہوئی جس میں بڑے امام صاحب وچھوٹے امام صاحب نعلبند ولحم فروش عبدالغفور صاحب فروٹ، عبدالرحیم صاحب، عبدالقدوس صاحب آگے چل کر جناب محمود خانصاحب و بھائی دستگیر خانصاحب تاجر برابر جماعت میں داخل ہوتے رہے۔ مختصر تعداد ہی سہی یہاں کی کثیر جماعت جو رئیس گنڈل پیٹ جناب امیر جان صاحب (سنا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ یا نانی صاحبہ موّحدہ واہل حدیث تھیں جس کا اثر خاندان پر اچھا تھا یہی وجہ کہ جناب انور پاشاہ صاحب

رئیس چامراجنگر کی اہلیہ جن مرحومہ صاحبہ تمام شرک و بدعات سے دور رہیں اور قرآن کی تعلیم و ہدیہ مجھ جیسے اہل حدیث سے کروایا اور جس سے سارا شہر ششدر رہ گیا) و احباب لبا بین سے بھری ہوئی تھی مگر یہ مختصر اور غریب جماعت اپنی صداقت پر قائم رہ کر اس مسجد کو نبھایا۔ آگے چل کر اصلاح المساجد سے بڑی خوبصورت مردانہ وزنانہ مسجد بنی۔ فللہ الحمد۔

جناب دستگیر خانصاحب مرحوم:

آپ محمود خانصاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ بھی عرصہ تک اسی مسجد کے متولی و ذمہ دار رہے۔ پھر نوجوانوں کی بیداری بھی رہی اور کچھ نہ کچھ کام جماعت کی بیداری و مسجد کی دیکھ بھال کے لئے اراکین کو بھی چن لیا گیا جس کے سکریٹری اس وقت بھی عبدالغنی صاحب ہیں۔ سید عبداللہ و احقر کے مشورہ سے یہاں مسجد کا پلان وغیرہ اصلاح المساجد کو روانہ کیا گیا جو منظور ہونے کے بعد وسیع مسجد مردانہ وزنانہ مصلیان کے لئے کافی ہے۔ اسی اثناء میں ذرائع آمدنی کی پریشانی رہی خدا جزائے خیر دے جناب الحاج عمران صاحب مدراس کو (جنہوں نے قبل ازیں مسجد اہل حدیث چامراج نگر کو بھی تائید کی تھی) کہ آپ نے اس پر توجہ دی اور آج مسجد اہل حدیث کامپلکس کے لحاظ سے بہترین عمارت کھڑی ہے اور اس میں امام مسجد کے قیام کے علاوہ کرایہ جات بھی چلتے ہیں اس طرح جناب عبدالغنی سکریٹری و صدر جناب منور صاحب (دونوں مرحوم ہو چکے ہیں) و امام مسجد جناب رحمت اللہ صاحب سے جماعت کی بیداری ہے و حرکت ہو رہی ہے۔

چاٹی پور چامراج نگر تعلق:

چامراج نگر سے چند کیلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ جماعت نگرلہ کی طرح پورا قصبہ اہل حدیث زمینداروں کا ہے۔ یہاں حضرت مولوی مرزا احمد بیگ ایک گورنمنٹ ملازم صرف ۴/ (چار) روپئے نوکری پر آئے جو مدرس تھے چونکہ آپ حضرت فقیر اللہ پنجابی کے شاگردوں میں ایک پختہ اہل حدیث

بن کر آئے تھے۔ مدرسہ کی ملازمت کے علاوہ اپنے ساتھ مولانا شہید اسمٰعیل کی تقویۃ الایمان بھی تھی اسی پر جماعتی بیداری اس قصبہ کی رہی۔ آپ کا یہ سلسلہ چامراج نگر، گنڈل پیٹ، نگرلہ تک رہا۔ بعض علمی مناظرہ بھی ہوتے رہے جسے جماعتی احباب نے دیکھا تو قائل ہوگئے۔ زمانۂ دراز تک آپ کی خدمت جاری رہی اور شاگرد تیار ہوتے رہے۔ ماشاءاللہ جو بنیاد بزرگوں نے رکھی تھی اس پر آج تک نوجوانوں میں قائم ہے۔ اور جماعتی بیداری بھی ہے۔ آج نوجوانوں میں منتظمہ مسجد کے علاوہ شبّان کا کام بھی چل رہا ہے جس کے صدر بشیر احمد خاں وارا کین ضیاء اللہ خاں وجمیل خاں وغیرہ ہیں۔ ان کی کوشش مسجد کی وسعت کی چل رہی ہے۔ ماشاءاللہ سید عبداللہ واحقر کے مشورہ وتحریر سے مع پلان مولانا رؤف احمد صاحب عمری کے ہاں جا چکا ہے کہ مسجد وسیع ہو اور زنانہ جماعت کی نماز باجماعت بنے۔ انشاءاللہ امید

مسجد اہل حدیث سلفیہ چاٹی پور

قوی ہے کہ پلان منظور ہو جائے گا۔ ویسے جماعتی احباب مولانا مختار احمد ندوی وسکریٹری رؤف صاحب عمری سے بھی شری نیواسپور و بنگلور میں ملاقات بھی ہوئی تھی۔ یہاں کے مخلص ودینی امام الحاج خلیل احمد

صاحب ہونڈر بال ابن سید عثمان صاحب ہیں جو مدرسہ و مسجد کے لئے وقف ہیں اب کمزوری کی بنا اقبال احمد نگرلہ نے یہ ذمہ داری لی جو مسجد و مدرسہ وغیرہ کا کام ماشاءاللہ جماعت کا کام چل رہا ہے۔

ہونڈر بال، کولیگال تعلق:

چامراج نگر سے دور دراز مقام کئی کیلومیٹر پر ہے یہاں بھی جناب سید نصیر الدین صاحب بیڑی فیکٹری، سید عثمان صاحب، سید عمر صاحب قابل ذکر اہل حدیث حضرات ہیں جنہوں نے تقویۃ الایمان کے ذریعہ اور اہل حدیث امرتسر کے ذریعہ دینی خدمات توحید انجام دیں۔

مسجد اعظم ہونڈر بال

مامبھلی، کولیگال تعلق:

یہ مقبول احمد کشمیری کا کٹّر بدعت گڈھ مقام ہے جس نے اس علاقہ میں بدعتی طوفان مچایا تھا اور رسالہ الرشاد کے ذریعہ خرافات پھیلاتا جس کے اخبار کی سرخی یوں تھی ’ہوسنّیوں کا بول بالا وہابیوں کا

منہ کالا شرارت اتنی کہ مسجد میں کسی ایک اہل حدیث کو گھسنے نہ دیتا اور خود بھی دل کی نماز پڑھنے کے لئے کہتا۔ اللہ بھلا کرے بجّن عابدہ بیگم میسوری مدرِ سہ کا انہوں نے عورتوں کی اصلاح تھوڑی بہت کرتے ہی رہتے جس کا اثر طالبات جوان کے پاس پڑھتی با اثر ہونے لگیں۔

خدا بھلا کرے جناب شیخ پیر صاحب رئیس چامراج نگر کا کہ اس فتنہ کو شہر سے ہٹایا اور باعث ثواب بنے اور چلتے چلتے یہ بدعتی ہانگل کا اپنا مقبرہ بنایا اور وہیں اس کا عرس بھی ہو رہا ہے۔ الّٰھم احفظ۔ اسی قصبہ میں سید حسین صاحب مع اہل وعیال کے پختہ اہل حدیث تھے جو اکثر نگر آتے۔ جماعتی کاموں اور اجلاس میں شرکت فرماتے اور اپنے بچوں کو بھی اسی پر قائم رکھتے۔

تالواڑی علاقہ مدراس:

یہ ایک قصبہ چند کیلو میٹر چامراج نگر سے ہے۔ یہاں ایک دین دار جوشیلے پختہ اہل حدیث جناب فخر الدین صاحب نامی شخص گذرے ہیں جو چامراج نگر آتے جاتے۔ اور حاجی مدار صاحب صدر جماعت اور رشتہ کے تعلقات وغیرہ کی وجہ پختہ اہل حدیث تھے۔ تنہا آمین ورفع یدین سے نماز پڑھتے جس سے سارا قصبہ آپ کا دشمن رہا۔ مگر آپ نے پرواہ نہ کی۔ آپکے چاہنے والوں میں توحیدی ودیندار بزرگ محمود خانصاحب ستّی منگلم سدھی جناب الحاج عبدالعزیز صاحب مرحوم باوٹا بیڑی مدراس کے تھے جس سے مدراس کے شائع شدہ دینی اردو لٹریچر ودیگر کتب آتے اور مطالعہ رہتا جس سے قدیم بدعات رسومات چھوٹنے لگے۔ آپ کے رشتہ کی وجہ آج بھی وہ کتابیں موجود ہیں۔ الحاج محمود خانصاحب ایک ذی اثر رئیس اور سماجی کارکن اس علاقے کے تھے جنہوں نے توحیدی باتوں میں بڑا حصہ لیا اور احقر کی وعلمائے اہل حدیث کی بہت عزت کرتے جن کی تعمیری جدید مسجد تالواڑی ہے جس کی بنیاد قدیم ٹیپو سلطان نے مندر کے باز ورکھی تھی آج بھی اسی مثال سے دونوں شیر وشکر کی طرح مندر ومسجد کا احترام کرتے ہیں۔ اس مسجد کی افتتاح میں احقر کو شرکت وتقریر کا موقع ملا تھا۔

پانڈوپورا (فرنچ راکس) ضلع منڈیا:

مسجد اہل حدیث قاضی محلّہ پانڈوپورہ ضلع منڈیا

یہ مقام بھی تاریخی حیثیت سے ضلع میسور کا ہے جو ٹیپو سلطان شہیدؒ کے زمانے سے فرنچ راکس کہلاتا ہے۔ جہاں فرنچ (فرانسیسی) فوج کا مقام رہا ہے جو پایۂ تخت سری رنگا پٹن سے قریب ہے۔ چونکہ ٹیپو سلطان کو نپولین بوناپارٹ جو انگریزوں کا شدید ترین دشمن تھا اس سے خاص دوستی کی بنا اس نے مدد کا وعدہ کیا تھا اور اپنی فوج کو انگریزوں کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجا تھا نیز یہ بھی سنا جاتا ہے کہ اس نے ہندوستان آنے کی تیاری و مدد کی خواہش تھی۔ مگر یہاں خود ٹیپو اپنے ہی غداروں اور باغی دشمنوں سے شہید ہوگئے۔ اس مقام میں اکثر علمائے اہل حدیث آتے تھے اور جماعتی بیداری تھی رہی جس کے بانی حکیم عبدالرحمٰن صاحب مرحوم تھے جو خود مفت علاج کرتے اور توحید کی تعلیم دیتے اور اہل حدیث بناتے رہے، جس سے ماشاء اللہ اکثر شہر کا طبقہ اہل حدیث تھا مگر بدنصیبی کہ اب وہ بات نہ رہی۔ البتہ مسجد اہل

حدیث جو محمد اسمٰعیل صاحب سوڈا فیکٹری مرحوم، محمود خان، رحیم خاں، صاحب جان وعبدالعزیز صاحب پھر سکریٹری الیاس جان صاحب ہیں۔ اسمٰعیل صاحب جو خود ایک شدید موّحد پابند صوم وصلوٰۃ تا دمِ زیست رہے۔ پھر ان کے خاندان داماد، بیٹیاں ونواسوں کی تعداد کافی اہل حدیث ہے۔ یہ بڑے متدین شخص تھے اپنے بیٹیوں ونواسیوں کا رشتہ صرف اہل حدیث دیکھ کر کر دیا کرتے تھے جیسے سابق میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب قریشی، وسید محی الدین (عرف کالے سیّد) وحاضرین میں سید عبداللہ نائب صدر میسور وانور صاحب سگریٹ ایجنٹ ہیں۔ اسمٰعیل صاحب غیر شرعی نکاحِ مجلس میں شرکت نہ فرماتے تھے۔ خدا غریق رحمت کرے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

گرگیسوری وکل کنٔ، ضلع منڈیا:

یہ بھی ایک پرانا اہل حدیث مقام ہے جو گرگیسوری سے قریب ہے اکثر اہل حدیث گرگیسوری وکل کنٔ میں تھے جیسے ونجی عبدالوہاب صاحب ودیگر احباب جن کی تعلیم دینی اہل حدیث رجحان کی وجہ سے بخاری ومسلم شریف گھروں میں موجود تھی جن کے مشہور صاحبزادہ میسور میں اے۔ اے۔ عبدالغنی صاحب کرمنل لائر ہیں خود مجھے گرگیسوری اپنے شاگردوں کی وجہ جناب نصراللہ، عصمت اللہ، عبدالشکورو کریم پاشاہ۔ جی، نذیر احمد وصدر مسجد ومدرسہ کوثر یہ جانا ہوا تو بزرگ اہل حدیث صاحبان سے ملاقات ہوئی اور نماز بھی باقاعدہ تھی۔ مگر اب تبلیغی جماعتی سعی کی بنا پر وہ بات نہ رہی۔

اسی طرح کلکونی، جہاں کہ پرانی جماعت اہل حدیث ہے جو صرف ایک مکان میں نماز مردانہ وزنانہ ہو رہی ہے جس کا بورڈ اہل حدیث لکھا گیا ہے۔ پھر اصلاح المساجد کی تائید سے جدید مسجد تعمیر ہوئی اور عورتوں کے جمعہ کا اہتمام بھی ہے جن کے موجودہ کارکن جناب عبدالعظیم صاحب اوران کے فرزندان و انور صاحب ودیگر احباب ہیں۔

مسجد اہل حدیث سلفیہ کل کُنی

جماعت میں اہل حدیث کی بیداری کرنے وسابق تاریخ یاد دلانے میں چامراج نگر سے کل کونی کئی کیلو میٹر جانا پڑتا جہاں جمعہ و جماعت کے علاوہ دو تین دینی خطابات ہوتے جس میں اپنے جماعتی بھائیوں کے علاوہ تبلیغی احباب بھی آجاتے اور گہرا تعلق ہوتا رہتا۔ بفضلہٖ تعالیٰ آمد و رفت و جماعت شبان میسور کے احباب کے آنے کی وجہ اور میرے آنے جانے کی وجہ سے مرجھائی جماعت میں بیداری آگئی جو فللہٖ الحمد آج بھی باقی ہے۔ رب تائید کرے۔ رب ثابت قدمی عطا کرے آمین۔

تمت بالخیر

فللہٖ الحمد، وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تاریخ تحریر: ۱۵/ فروری ۱۹۹۴ء مطابق ۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

باب۶

۱۔شخصیت	۱۶۹
۲۔حلیہ	۱۶۹
۳۔معمولات زندگی	۱۷۰
۴۔جمعہ و رمضان کا اہتمام	۱۷۱
۵۔مہمان نوازی	۱۷۲
۶۔ اولاد	۱۷۴
۷۔آخری ایام	۱۷۴
۸۔وفات	۱۷۵
۹۔اولاد و احفاد ہنگی شیخ بڈھن	۱۷۸
۱۰۔مرتب کا تعارف	۱۸۲

شخصیت

والد محترم کا مزاج خالص دینی تھا، ہر بات میں کتاب وسنت کا خیال رکھا جاتا۔اس مزاج سے آپ نے کئی جگہ ہزیمتیں بھی برداشت کیں مثلاً دوران طالب علمی گلبرگہ میں اہل حدیث ہونے کے باعث بہت تکلیف اٹھائی اور وہاں سے دہلی کا رخ کیا۔ قیام چلکرہ میں بھی آپ کو اہل حدیث ہونے ناطے بہت ہی ہزیمت اٹھانی پڑی جس کا ذکر قیام چلکرہ میں تفصیل سے آچکا ہے۔ ہولے نرسی پور جہاں آپ کا تبادلہ ہوا تھا اکثریت شیعہ لوگوں کی تھی پھر بھی سنی جماعت والوں نے آپ کا ساتھ دیا اور وہاں جمعہ کا خطبہ وغیرہ بھی دیا کرتے۔ ننجنگڈھ میں بھی آپ نے اپنے قیام کے دوران خطبۂ جمعہ وغیرہ کا اہتمام کرتے۔والد محترم دین کے معاملے میں جلالی طبیعت کے مالک تھے۔سر مو توحید وسنت کی خلاف ورزی ان کے برداشت سے باہر تھی۔نکاح خوانی کی اکثر محفلوں میں آپ سے نکاح پڑھایا جاتا سہرا، گجرا، یا پھول کا ہار ہوتا تو آپ نکاح خوانی پر آمادہ نہ ہوتے۔کسی میت پر پھولوں کی چادر جنازہ پر ہوتی تو اس جنازہ میں شرکت سے گریز کرتے۔مگر دنیاوی امور اور ابنائے وطن وساکنان علاقہ سے ان کا رویہ جمالی ہوتا۔ ہر ایک چاہے وہ جماعتی احباب ہوں یا غیر جماعتی، یا غیر اقوام کے لوگ ہوں آپ کی عزت و توقیر کرتے تھے۔

حلیہ:

والد محترم دوہرے بدن کے مالک، درمیانہ قد سانولے رنگ کے حامل تھے۔شرعی داڑھی نہ زیادہ لمبی تھی اور نہ چھوٹی، زندگی میں کبھی آپ نے داڑھی کے بالوں سے کوئی چھیڑ خوانی نہیں کی۔مونچھیں منڈھی ہوئیں، حواس خمسہ آخری وقت تک ماشاء اللہ اچھے رہے۔آنکھوں میں توحیدی چمک، آخری عمر

تک اللہ نے آپکی بینائی برقرار رکھی، بغیر چشمہ کے مطالعہ جاری رہتا۔ گرما کے موسم میں زیادہ تر دھوپ چشمہ لگایا کرتے۔ گھر پر ہوتے تو زیادہ تر بنیان اور تہبند اور سر پر رومال بندھا رہتا۔ سر گھٹا ہوا۔ مہینہ میں ایک مرتبہ گھر پر حجام جمعہ کے دن آجاتا اور ہم سارے مرد بچوں کے سر منڈھوا دیا کرتے۔ فرکی ٹوپی ہم سب کے لئے لازمی تھی۔ ہمیشہ باوضو اور صاف ستھرے رہا کرتے۔ صاف ستھرا لباس پہنتے۔ عام طور پر سفید جبہ اور کلی دار پائجامہ زیب تن ہوتا۔ ملازمت پر جاتے وقت موسم سرما میں شیروانی، اور گرما میں ویسٹ کوٹ پہنتے۔ سر پر اپنی جوانی میں رومی ٹوپی ہوتی، سال میں ایک شعبان کے اواخر میں ان کے ٹیلر پیر صاحب کے پاس شیروانی سلواتے تو میرے لئے بھی چھوٹی شیروانی تیار ہو جاتی۔ ٹیلر پیر صاحب کے انتقال کے بعد زیادہ تر ویسٹ کوٹ کا استعمال ہونے لگا۔ اوٹی جاتے تو اونی کپڑے لے آتے خاص کر میرے لئے کوٹ ضرور خرید لاتے۔ جب عمر ڈھلنے لگی تو شیروانی اور رومی ٹوپی کے بجائے فر والی ٹوپی اور ویسٹ کوٹ کا زیادہ استعمال ہونے لگا۔ اور وظیفہ یابی کے بعد زیادہ تر ہاتھ کی بُنی ہوئی جالی دار سوتی ٹوپی جو میری والدہ ہی بُنا کرتیں اور رومال کا استعمال ہوا کرتا۔

معمولات زندگی

آپ کا معمول تھا کہ تہجد کے لئے اٹھ جاتے صبح کی اذان کے ساتھ ہی ہم بچوں کو آواز دی اور ساتھ لے کر مسجد کے لئے روانہ ہوئے نماز کے بعد درس ہوتا پھر آپ ہوا خوری کے لئے نکل جاتے۔ موسم سرما میں ایک لانگ کوٹ پہنا کرتے۔ ایسے میں ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں بید کا عصا ہوا کرتا۔ گھر آکر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہوتے۔ ہم سب کو تلاوت قرآن میں مشغول رکھتے۔ پھر پڑوس کے بچے آتے تو انہیں قرآن پڑھایا کرتے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ناشتہ سے فارغ ہو کر وقت مقررہ پر سکول چلے جاتے۔ نماز ظہر باجماعت ادا کرتے، کھانے سے فارغ ہو کر سکول چلے جاتے اور عصر کے وقت پھر جماعت میں حاضر ہو جاتے اور سکول کا وقت ختم ہونے کے بعد بازار جاتے یا شام کی ہوا خوری

کے لئے نکل جاتے۔قبل مغرب لوٹ آتے بعد نماز مغرب مدرسہ کے بچوں کو عشاء تک پڑھایا کرتے۔ اسی مدرسہ میں مجھے بھی لے جاتے آپ چاہتے تھے کہ مجھے حافظ کرائیں لیکن بات دو ڈھائی پارہ سے آگے نہ بڑھی پھر دنیوی تعلیم کی مصروفیت کے باعث دور نہ ہونے کے باعث بات مکمل نہ ہوسکی۔اور کھانے سے فارغ ہوکر،کل کے لئے سکول کی تیاری کرنے کے بعد سو جاتے۔ ہفتہ واری چھٹیوں میں ناشتہ کے بعد قرآن مجید کا ورد رہتا جو برابر ظہر تک جاری رہتا۔

جمعہ ورمضان کا اہتمام

عام طور پر جمعہ کے دن عمامہ باندھتے۔کندھے پر بیش قیمتی رومال ہوتا۔ہاتھ میں عصا کے بدلے اپنی بید لے کر خطبہ دیا کرتے۔ایک چھوٹا قرآن مجید ہوتا۔خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن مجید کی آیت اور اس سے متعلقہ حدیث اور ایک دو شعر ضرور پڑھا کرتے۔اللہ نے آپکو بڑی میٹھی آواز دی تھی۔قال اللہ وقال الرسول آپ کی زبان سے نہایت اچھا لگتا۔قرآن کی تلاوت اور خطیبانہ انداز ایسا ہوتا کہ ہر ایک آپکی تقریر سے اثر پذیر ہوتا۔ ہمیشہ حق بولا کرتے اور اسی حق گوئی کی وجہ سے بہت سی ہزیمتیں بھی برداشت کیں لیکن کبھی حق گوئی سے منہ نہ موڑا، چاہے اس سے نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔رمضان المبارک میں اعتکاف کا اہتمام ضرور ہوتا۔طاق راتوں میں وعظ ونصیحت کے بعد بڑی لمبی اور پر اثر دعا کرتے۔دعا میں شامل (بشمول مستورات) کوئی فرد ایسا نہ ہوتا جس کی آنکھ سے آنسوؤں کی دھار نہ بہی ہو۔اور میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ کچھ افراد ان کی دعا کے بعد متاثر ہوکر ان کو کبھی شال تو کبھی رومال اڑھا کر جاتے اور خوش ہوتے۔طاق راتوں کے علاوہ جب بھی کوئی باہر سے عالم آتا تو بعد نماز عشاء ان کا بیان رکھا جاتا لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ باہر مستورات وعظ ونصیحت کی باتیں سنتیں سپیکر کی آواز رات کے سناٹے میں مشرق ومغرب میں دور دور تک سنائی دیتی غیر قوم کے افراد بھی جنہیں اردو سمجھ میں آتی بڑے شوق سے وعظ سنا کرتے۔صبح جب والد صاحب کا گذر ہوتا تو رات کی بات ضرور دہراتے

اور خوش ہوتے۔

چامراج نگر کی مسجد اہل حدیث کھر گپور محلّہ میں ایسی جگہ واقع ہے۔ مشرق کی طرف اے۔ کے کالونی تو مغرب یا بالکل پڑوس میں برہمن واڑہ اور تھوڑی ہی دور پر وہاں کا مشہور چامراجہ مندر۔ جنوب کی طرف جولاہوں کا محلّہ، (دیوانگ بیدی) اسی محلّہ کے نزدیک میں جماعت کا دیا ہوا گھر B1/3 تھا، گورنمنٹ بس اسٹانڈ کے قریب دو کمروں پر منحصر۔ ایک کمرے میں پکوان ہوتا۔ اور دوسرا کمرہ سونے بیٹھنے کے لئے۔ دیسی کھپریل کا بنا، دیواریں بانس کی ٹٹیوں سے بنی اس پر مٹی کا لیپ چڑھا ہوا۔ سال میں ایک مرتبہ گرما کے موسم میں کھپریل کو از سر نو جوڑا جاتا تاکہ برسات کے موسم میں کہیں سے پانی نہ ٹپکنے پائے پھر چونا چڑھایا جاتا۔ روشنی اور ہوا کے لئے یہ کمرے ترس جاتے۔ کھڑکیاں اتنی چھوٹی کہ اس میں سے روشنی اور ہوا بہت کم آتی۔ پکوان کے لئے لکڑی کے چولہے بنائے جاتے اور ان سے نکلنے والا دھواں سارے گھر میں پھیل جاتا۔ جس کے باعث کتابیں کاغذ اور کپڑے دھواں آلود ہو جاتیں اگر لکڑیاں کچی ہوتی تو اور بھی غضب ہو جاتا۔ گرمی میں عام طور پر سب کے سب صحن میں لیٹ جاتے۔ پانی کی ہمیشہ قلت رہی۔ کھارا پانی گھر سے متصل کنویں سے نکال لیا جاتا اور میٹھے پانی کے لئے قریب آدھ میل جا کر (ارسینَ کیرے) تالاب سے لے آتے۔ رات میں مٹی کے تیل کے لیمپ، اور لالٹینوں کا استعمال ہوتا جس میں ہم سب کی پڑھائی ہوتی۔ کافی سالوں کے بعد چامراج نگر میں پانی کی پائپ لائن بچھائی گئی اور کچھ اچھا پانی استعمال میں آنے لگا۔ میرے یم۔ اے میں داخلہ کے بعد اس گھر میں بجلی آئی صرف تین بلبوں سے گھر میں روشنی ہوتی مٹی کے تیل کے چراغوں سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ اس گھر میں سنہ ۱۹۵۳ تا ۵ / مئی ۱۹۷۵ء تک قیام رہا۔ اب یہاں پختہ عمارت بنی ہے اور لب سڑک کے حصہ میں چار یا پانچ دکانیں بنی ہیں۔

مہمان نوازی

آزاد ہاسٹل میں چامراجنگر کے اطراف واکناف کے کئی بچے تعلیم حاصل کرنے کے لئے قیام پذیر تھے۔آپ ان بچوں کے ساتھ انتہائی مشفقانہ رویہ اختیار کرتے اوران کو جب کبھی ضرورت ہوتی دامے درمے وسخنے ان کی مدد میں ہمیشہ کوشاں رہا کرتے۔مہمان نوازی ایسی کہ جب کبھی باہر سے کوئی عالم آتا تو آپ نہایت اہتمام سے پُر تکلف دعوت کا اہتمام کرتے۔ساتھ میں تناول کرتے اور بڑی شفقت کے ساتھ انہیں کھانا کھلاتے۔عام طور پر جمعہ کے دن چامراجنگر کے اطراف واکناف کے لوگ آپ کا خطبہ سننے آیا کرتے تو انہیں بھی گھر لے آتے اوران کی مہمان نوازی کیا کرتے۔کوئی بھوکا یا کوئی سائل آپ کے در سے خالی نہ جاتا۔جو کچھ ہوتا اسی میں سے کچھ عطا کردیا۔خاص کر جمعہ کے دن خیرات مانگنے والوں کا تانتا بندھا رہتا لیکن کوئی خالی ہاتھ نہ جاتا۔انتہائی کفایت شعار زندگی گذاری لیکن مہمان نوازی میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔۱۹۸۲ء میں وظیفہ یابی حاصل کی۔۱۹۸۸ میں فریضۂ حج ادا کیا۔(حج سے واپسی کے بعد میں نے ان سے گذارش کی تھی کہ آپ قرآت، اذان اور وعظ ریکارڈ کروائیں۔اذان قرات کے بعد انا اعطینا پر تقیر باً ۴۵ منٹ کی تقریر کی، اس کا ٹیپ موجود ہے اب ٹیپ ریکارڈوں کا زمانہ گذر گیا اسی کو سی ڈی بنانا ہے۔اسی طرح چچا مولانا سیفی صاحب کی بھی ایک تقریر رائیدرگ میں ہی ریکارڈ کیا تھا، دادا سید اسماعیل صاحب جبکہ وہ فریش تھے، شادی میں نہیں آسکے تھے ڈھیر ساری مبارکبادی اور دعائیں لکھ بھیجی تھیں، شادی کے بعد اہلیہ کے ساتھ رائیدرگ جانا ہوا تھا تو ہم دونوں کو اپنے گھر مدعو کیا، پر تکلف دعوت کا انتظام کیا بہت ساری نصیحتیں کیں میرے اصرار پر لیٹے لیٹے ہی تقریر کی۔اس تقریر کو میں نے ریکارڈ کرلیا تھا وہ بھی میرے پاس موجود ہے۔) چامراجنگر، میسور، اوٹی، گنڈل پیٹ اور چامراجنگر کے اطراف واکناف کے قریہ جات میں تبلیغی سلسلہ میں جانا ہوتا۔کبھی بھی کسی کی دعوت سے انکار نہ کیا، چاہے وہ غریب ہو یا امیر، بدّو ہو یا شہری ہر ایک کی دعوت میں ضرور شرکت کرتے۔کھانے کے بعد دسترخوان پر بیٹھ کر میزبان کے حق میں خیر وبرکت کی دعا کرتے۔

اولاد

میری والدہ محترمہ رحمت انساء آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں خوبصورت، دین دار، مہمان نواز، پابند صوم وصلوۃ، قرآن پاک کی ہمیشہ تلاوت میں مشغول، امور خانہ داری میں ماہر، نے آخری سانسوں تک آپ کا ساتھ دیا۔ مورخہ ۱۵/ نومبر ۱۹۸۵ میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چامراجنگر میں ہی مدفون ہیں۔ سات بچوں کی پرورش، ان کی دیکھ بھال ان کی تربیت میں ہمیشہ ساتھ رہا۔ کل چار لڑکے اور تین لڑکیوں سے اللہ نے آپ کو نوازا۔ ۱) محمد صبغۃ اللہ پیدائش چتلدرگ، مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۵۰ء بقیہ ساری اولاد چامراجنگر میں پیدا ہوئی ۲) محمد عطا اللہ (۱۳/ جولائی ۱۹۵۵ء) ۳) محمد ثناء اللہ (۲۹/ اگست ۱۹۵۶ء) ۴) امتہ اللہ عرف زبیدہ خاتون (۲۸/ مئی ۱۹۵۹ء) ۵) امتہ الرحمٰن عرف شکیلہ (۱۱/ اگست ۱۹۶۱ء) ۶) امتہ الرحیم عرف جمیلہ (۶/ جنوری ۱۹۶۴ء) اور ۷) محمد رضاء اللہ (۵/ مئی ۱۹۶۷ء)۔

آخری ایام

میں ملازمت کے سلسلے میں بنگلور میں تھا۔ محمد ثناء اللہ بھی معاش و تعلیم کے سلسلے میں بنگلور کو اپنا مقام بنالیا۔ والدہ کے انتقال کے بعد آپ انتہائی رنجیدہ رہا کرتے۔ جو ساتھ آپ نے اپنی رفیقۂ حیات سے سکھ دکھ میں پایا تھا اس کو ہمیشہ یاد کرتے رہتے۔ ۱۹۸۲ء میں وظیفہ یابی سے قبل ہی دو بیٹیوں کا بیاہ کر دیا تھا۔ محمد عطا اللہ اور امتہ الرحیم ساتھ میں تھے۔ جب گھر سنبھالنے کیلئے کوئی ذمہ دار خاتون نہیں تھی تو دوسرے فرزند کا بیاہ کیا۔ بہو پرائمری سکول ٹیچر، ملازمت کے سلسلے میں باہر چلی جاتیں اور محمد عطا اللہ کھیتی باڑی اور باہر کے کاموں میں مصروف رہتے۔ سب سے چھوٹے اور آخری فرزند محمد رضاء اللہ سعودی عرب میں ملازمت کے سلسلہ میں باہر چلے گئے۔ تو اس بھرے پرے گھر میں دن بھر باپ بیٹی دونوں ہی ایک دوسرے کے سکھ دکھ کو آپس میں بانٹ لیا کرتے۔ چامراج نگر کو ہی آپ نے وطن ثانی بنالیا۔ اپنے

وطن سے دور یہاں نہ کوئی رشتہ دار اور نہ ہی ان کا کوئی اپنا، جو بھی تھے بس محلّہ والے اور جماعت والے ہی تھے۔ میری ایک خالہ یہاں سے اٹھائیس کیلومیٹر کے فاصلہ پر پنچور قریہ میں رہتی ہیں کبھی کبھار آتی رہتیں۔

وفات

آخر کار وہ گھڑی آن پہنچی جس سے کسی کو مفر نہیں۔ ۱۳ جولائی ۱۹۹۶ء دوپہر کھانے کے بعد قیلولہ کے بعد، بعد اذان عصر گھر پر ہی نماز عصر ادا کی، آپ کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر سورۂ اخلاص ۱۰۰ مرتبہ پڑھتے اسی وظیفہ میں مشغول تھے کہ اچانک زمین پر گر پڑے۔ بہن امتہ الرحیم گھبرا کر آئیں اور دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ جواب دیا کہ کچھ نہیں ذرا چکر آ گیا تھا۔ پگلی مجھے کچھ نہیں ہوا گھبرانے کی کوئی بات نہیں اس نے آپکی ٹوپی سیدھی کی۔ اٹھا کر بٹھایا، پھر وظیفہ وذکر واذکار میں مشغول رہے۔ تھوڑی دیر بعد اچانک مصلہ پر گر پڑے، انتقال ہو گیا۔ آپ کی وفات کی خبر سے ساری دنیا کے علمی اور دینی حلقوں میں نہایت رنج وغم کے ساتھ سنی گئی جو تقریباً ۶۹ سال کی عمر میں بروز سنیچر ۱۳/ جولائی ۱۹۹۶ء مطابق ۲۶/ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ بعد نماز عصر بحالت وظیفہ جائے نماز پر ہی داعی اجل کو لبیک کہا انّا للہ و انّا الیہ راجعون ، اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فسیح جناتہ

گھر میں اکیلی لڑکی۔ پڑوس کے لوگوں کو بلایا کہ دیکھو کیا ماجرا ہے۔ لوگ دوڑے آئے دیکھا تو انتقال ہو چکا ہے۔ فوراً آپ کو مصلہ سے اٹھا کر دیوان پر لٹایا گیا اور باہر اعلان ہوا کہ مولانا اس دار فانی سے کوچ کر گئے، انتقال ہو گیا۔ جیسے ہی نماز مغرب میں آپ کے انتقال کا مسجد اہل حدیث سے نماز جنارہ کے وقت کا اعلان ہوا، اور یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے علاقے میں پھیل گئی۔ جس نے بھی سنا افسوس سے سر پکڑ کر رہ گیا۔ ہر ایک کی زبان پر تھا کہ ایک عالم کی موت ایک عالَم کی موت ہے۔ کیا ہندو کیا مسلمان، کیا لیڈر، کیا مزدور سارے کے سارے آپ کے دیدار کے لئے اُمڈ پڑے یہ سلسلہ برابر

ان کے جنازہ لے جانے تک جاری رہا۔سارے چامراج نگر میں اس دن کاروبار بند رہا۔کسی نے بند کے لئے کوئی آواز نہیں دی تھی سب کے سب اپنے آپ ہی کاروبار بند کر گئے یہاں تک کہ صبح ایک بزاز سے منت سماجت کر کے دکان کھلوائی اور کفن کے لئے کپڑا خریدا گیا۔ظہر سے پہلے آپ کا جنازہ تیار ہوا۔سارے اطراف واکناف کے احباب بنگلور، میسور، ہنسور، منڈیا کولیگال ،کل کنی ،گرگیشوری ، گنڈل پیٹ چاٹی پور،ہمپسور، ناگولی ،اوٹی غرض کہ ہر وہ شخص جو چامراجنگر سے قریب تھا اور جوان سے دلی محبت وعقیدت کا حامل تھا جنازہ میں شریک ہونے کے لئے پہنچ گئے ۔گھر سے باہر جنازہ لا کر رکھا تو شامیانہ میں خواتین کا ہجوم دیکھنے کے لائق تھا ہر کوئی خاتون اپنے منہ میں کپڑا ٹھونسے اپنی آہوں کو دبانے کی کوشش میں ہے لیکن آنسو ہیں کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔ظہر کی اذان کے بعد جنازہ مسجد اہل حدیث کی طرف چل پڑا۔مسجد اہل حدیث میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی ۔ بعد نماز ظہر نماز جنازہ مولوی فضل اللہ صاحب اردو منشی جوان کے ہم عصر تھے پڑھائی۔مسجد سے نکل کر قبرستان پہنچنے تک جماعت کا یہ عالم کہ بازار روڈ، گنڈل پیٹ روڈ جہاں نیا قبرستان ہے پر تل دھرنے کی جگہ نہیں غیر اقوام کے لوگ راستے کے دونوں طرف کھڑے آپکے جنازے کو ہاتھ جوڑتے رہے۔گاؤں والوں کا کہنا تھا کہ اتنی بڑی جماعت ہم نے ایک عالم کے لئے پہلے کبھی نہیں دیکھی ۔ سچ کہتا ہوں کہ ہم بھائیوں نے گھر سے باہر تک والد کے جنازہ کو کندھوں پر جو لیا لیا بعد میں ہمیں ایک اور مرتبہ کندھا دینے کا موقع نہ ملا۔ اس رفتار سے جنازہ قبرستان پہنچا۔دو اور ڈھائی بجے کے درمیان آپ کی تدفین عمل میں آئی۔اللہ آپ کی قبر کو کشادہ کرے اور نور سے بھر دے۔آپ کی کوتاہیوں کو درگذر کرے۔اور آپ کے اعمال صالحہ کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں بہترین درجات عطا کرے یہ دعا کرتے ہوئے تدفین کے بعد بچشم نم واپس لوٹ آئے ۔تقریباً ایک ہفتہ تک تعزیت کے لئے لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔سب سے آخری فرزند سعودی میں تھے ان کو جیسے ہی اطلاع ملی تو وہ بھی پریشان ،اس کو روتا دیکھ اس کے کمپنی کے مالک نے ان کو صبر کی تلقین کی ۔انکی تدفین سے پہلے کعبۃ اللہ پہنچ کر ان کے نام کا عمرہ کیا اور ان کے حق

میں دعائے مغفرت کی۔ بنگلور کے سارے روز ناموں جماعت اہلحدیث کے سارے اخبار و رسائل میں آپ کے انتقال پر ملال کی خبر شائع ہوئی اور ہر جگہ آپ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا ہوئی اور مغفرت کی دعا کی گئی۔ والد صاحب بھی ایک انسان تھے، کچھ خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ، میں ان تمام حضرات سے جنہیں والد صاحب سے کوئی ٹھیس پہنچی ہو تو میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ براہ کرم معاف فرمادیں، اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اوران کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ بھائی محمد انور محمد قاسم سلفی نے چچا مولانا عبدالغنی سیفی کی سوانحی حالات قلم بند کرتے ہوئے ''نقوش حیات'' صفحہ آٹھ پر صحیح لکھا ہے اور اپنے والد کے بارے میں جو تجربہ ہے اس بنا پر اس بات سے صد فی صد متفق ہوں کہ ''مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں اہم اور محترم شخصیات کی قدر میں اتنے غلو سے کام لیا کہ انکو قابل تقلید سمجھا اور ان کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو گئے، اور جماعت اہل حدیث نے اپنے علماء وصلحاء کی ناقدری میں اتنے خلو سے کام لیا کہ ان کی من حیث الجماعت کوئی قدر شناسی، حوصلہ افزائی نہیں کی، بات یہیں تک محدود رہتی تب بھی غنیمت، لیکن اکثر ان کی غیبت، غلط پروپیگنڈہ، الزامات اور اتہامات سے ان کی عزت کو تار تار کردیا گیا ایسا کرنے میں باطنی خبث کے حامل افراد کو قلبی سکون و بشاشت، خوشی ومسرت اور جھوٹے پروپگینڈے کا ایک بے پناہ خزانہ حاصل ہوجاتا۔ وفات کے بعد ان کی مدح سرائی، یاد میں مقالجات کی اشاعت وسیمیناروں کا انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے۔''

والد محترم بھی ان مقدس ومتبرک ہستیوں میں سے ایک ہیں ''جنکی قدر اس دنیائے فانی نے نہیں کی اور نہ ہی جمعیتوں نے ان کی زندگی میں کبھی ان کی ہمہ گیر اور ہمہ جہات خدمات کا اعتراف کیا نہ ان کی عزت افزائی کی اور نہ ہی اس کے متعلق کوئی صدا ہی بلند ہوئی اور نہ ہی جماعت یا جمعیت کے کسی فرد کو اس کا احساس ہوا۔ مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ شاید اللہ تعالی کو بھی یہی منظور تھا کہ یہ بندہ تمام دنیاوی اعزازات سے مستغنی ہوکر صرف اپنے رب کے اخروی اعزازات سے سرفراز ہوجائے۔'' (ایضاً ص ۹)

اولاد واحفاد

ہنگی شیخ بڈھن ساکن رائیدرگ

کے دو بچے ۱)امام صاحب ۲) چھوٹے امام صاحب

چھوٹے امام صاحب ،سید عبد اللہ صاحب (سید شاہ سرمست حسین بن اکبر شاہ) کے ہم زلف) نے، کھلم نامی قریہ میں ہاجرہ بی کی بڑی بہن سے شادی کی ۔ان سے چھوٹے امام صاحب کے پانچ بچے ہوئے ۱)عبدالقدوس ۲) عبدالکریم ۳)ابراہیم صاحب (ہریرے والے)۴)مریم بی ۵) زہرہ بی

عبدالقدوس صاحب کی دو بیویاں: پہلی بیوی زلیخا بی بنت نبی صاحب، ان کی ایک اور بہن زینب بی زوجہ فخر الدین صاحب ۔دونوں یعنی عبد القدوس صاحب اور فخر الدین صاحب ہم زلف تھے۔ دوسری بیوی بنت صدیق حسین باہر پیٹ رائیدرگ

پہلی بیوی کی اولاد **مولوی محمد عبداللہ جامعی سعیدی** ان کے بچپن ہی میں والدہ کا انتقال ہو گیا۔

دوسری بیوی باہر پیٹ سے بنت صدیق حسین بیاہ کر لائی گئی جن سے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہوا۔

۱)رحمت بی ۲) عباس۳)نور جہاں۴)مہر النساء

مولوی محمد عبداللہ صاحب نے اپنی پھوپھی زاد بہن رحمت النساء بنت مریم بی سے بیاہ کیا ان کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

بیٹے:

۱) محمد صبغۃ اللہ ۲) محمد عطااللہ ۳) محمد ثناءاللہ ۴)امتہ اللہ عرف زبیدہ خاتون ۵)امتہ الرحمٰن عرف شکیلہ ۶)امتہ الرحیم عرف جمیلہ اور ۷) محمد رضاءاللہ

۱) ڈاکٹر پروفیسر محمد صبغۃ اللہ: سابق پرنسپال سرکاری ڈگری کالج مقیم بنگلور کی زوجہ فرخندہ ریحانہ

کوثری عرف یم۔ ملکہ جان یم۔اے، بی۔ایڈ سابق گورنمنٹ ہائی سکول ٹیچر۔متبنّٰی : عدنان شفقت
(بی۔بی۔یم) پی جی ڈپلوما ہاڈویراینڈ نیٹ ورکنگ

۲) محمد عطااللہ: ڈپلوما ان سیریکلچر، زرعی کاروبار، زوجہ شاکرہ بیگم، گورنمنٹ پرائمری سکول ٹیچر مقیم
چامراجنگر۔

۳) محمد ثناء اللہ: تاجر ریڈی میڈ گارمنٹس بالمقابل جامع مسجد کمرشیل سٹریٹ، زوجہ زینت النساء۔
بیٹے: محمد حفیظ اللہ عرف روشن حقیقی بیٹا اور متبنی محمد ریحان، محمد حفیظ اللہ کا بیاہ شاہجہاں سے ہوا جس
کے دو بچے ہیں۔مقیم بنگلور

بیٹیاں

۴) امتہ اللہ زوجہ عبدالراقب بن سید سلیمان مرحوم ساکن پانڈو پور مقیم نجنگڈھ۔امتہ اللہ کے دو
بیٹے ہیں ۱) عمران ۲) رضوان دونوں شادی شدہ ہیں عمران دو بچوں کا باپ ہے ایک بیٹا اور بیٹی اور
رضوان دو بچوں کا باپ ہے۔

۵) امتہ الرحمٰن: امتہ الرحمٰن عرف شکیلہ زوجہ عبدالسبحان مقیم بنگلور تین بیٹیاں ۱) سیما متبنّٰی بڑی بیٹی
زوجہ اقبال مقیم نجنگڈھ جس کے ایک بیٹا اور بیٹی ہے۔

۲) سعدیہ ۳) عائشہ

یہ دونوں حقیقی بیٹیاں ہیں۔سعدیہ کا بیاہ واجد سے ہوا جس کا ایک بیٹا ہے۔سرا میں ہے

۶۔امتہ الرحیم: گورنمنٹ پرائمری سکول ٹیچر زوجہ فیاض سوشیل ورکر مقیم بنگار پیٹ ضلع کولار ایک
ہی بیٹا سفیان پی یوسی میں زیر تعلیم ہے۔

۷۔سب سے چھوٹا بیٹا محمد رضاء اللہ ڈپلوما ان ایلکٹریکل، گرانائٹ ورک سوپروائزر کا بیاہ سلمٰی بنت
وجیہہ مرحومہ سے ہوا متبنّٰی بیٹی ایمان رحمت نرسری میں ہے۔مقیم چامراجنگر

عبدالقدوس صاحب کی دوسری بیوی کے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا۔پہلی بیٹی رحمت چنتواڑگی کو بیاہی گئی

تھیں جن کے ۵ بیٹے اور ۳ بیٹیاں ہیں۔

دوسرا بیٹا عباس بن عبدالقدوس، مولوی عبداللہ صاحب کا سوتیلا بھائی ٹیلی کام شعبہ کا ملازم، انتقال کے بعد بیوی ہاجرہ بی کی نوکری دی گئی۔

پہلی بیوی چھوٹی ماں، زچگی کے دوران انتقال کے بعد دوسری بیوی ہاجرہ بی سے شادی کی جن سے تین بیٹیاں ہوئیں ۱) سائرہ زوجہ اللہ بخش بن رحمت کے تیسرے بیٹے سے ہوئی، تاجر ہے، تورنگل (بلاری) میں مقیم ہے ۲) دوسری بیٹی ناصرہ کو بلاری بیاہا گیا تھا، شوہر کا انتقال ہوگیا اس کے بھی شاید دو یا تین چھوٹے بچے ہیں ۳) تیسرؔ ہ

انہیں کی دو اور بیٹیاں نور جہاں اور مہر النساء کو رائیدرگ کو بیاہا گیا تفصیلات کا علم نہ ہوسکا۔

چھوٹے امام صاحب کے دوسرے فرزند عبدالکریم صاحب: ان کے ۲ بیٹے ۱) عبداللہ اور عبدالستار اور ایک بیٹی میمونہ بی

انہیں کے تیسرے فرزند ابراہیم صاحب ہریرے والے ان کے چار لڑکے ۱) عبدالرحیم ۲) عبدالرؤف ۳) عبدالرحمٰن ۴) محمد اسمٰعیل اور ایک بیٹی نور جہاں

چھوٹے امام صاحب کی بیٹی: مریم بی: زوجہ عبداللہ ان کے ۵ بیٹیاں اور ایک بیٹا

۱) والدۂ عبدالکریم: ان کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ عبدالکریم کے بچپن میں ہی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ یہ بھی حال ہی میں انتقال کر گئے۔

۲) بیگم ان کے شوہر ننجنگڈھ کی کپڑا مل میں ملازم تھے لاولد تھیں۔

۳) نور جہاں زوجہ سید عثمان صاحب ان کے دو بیٹے ۱) محمود جو لاپتہ ہوگیا اس کے تین بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں، زوجہ رحمت بی نے کافی مشکلوں سے بچوں کی پرورش کی اور ان کو بیاہا۔ ۲) مقبول، شادی شدہ ہے ٹی ایس پی میں والد کے بعد ان کا کام دیا گیا اس کے بھی دو یا تین بچے ہیں تفصیلات مفقود ہیں۔

۴) رحمت النساء زوجہ مولوی محمد عبداللہ صاحب جن کا تفصیلی تذکرہ اگلے صفحات میں ہو چکا ہے۔

۵) حسینہ بی عرف نھنّی: زوجہ عبدالغنی مرحوم بن موذن عبدالستار مرحوم مقیم پنچور چامراجنگر تعلق کرنا ٹک اور ٹامل ناڈو کا سرحدی علاقہ یہاں سے سیلم کا راستہ پڑتا ہے۔ان کی دو بیٹیاں ۱) رقیہ مطلقہ ماں کے ساتھ ہے۲) ثمیہ چامراجنگر کے ایک تاجر کو بیاہا گیا اس کے تین یا چار بچے ہیں ۔ تین بیٹے ۱) عبد الباری تر پور، ٹامل ناڈو میں بنیان فیکٹری میں ملازم ہے۔اس کے دو یا تین بچے ہیں۔۲) دوسرا عبد الواجد ٹیلر ہے۔۳) عبدالستار دیگر کاروبار میں مصروف ہے۔ان دونوں کا بیاہ کیرلا میں ہوا۔ ماں کے ساتھ یہ دونوں بیٹے پنچور میں ہیں۔

۶) عظمت اللہ کنٹراکٹر ٹی۔ ایس۔ پی کی شادی میمونہ بی بنت عبدالکریم صاحب سے ہوئی جو سکول ٹیچر تھیں۔ ہاسپیٹ میں مقیم ہیں وظیفہ یابی کے بعد فریضہء حج ادا کیا۔ان کے دو بیٹیاں فریدہ اور رحمت، دو بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ ہیں۔

فریدہ: ہاسپیٹ (بلاری) میں پھولبن سکول کی ہیڈ مسٹرس ہیں خاوند عبدالروء ف ایلکٹرکل کمپنی بنگلور کے مینیجر ہیں۔ان کی ایک بیٹی ین۔ یاسمین بی۔ای، یم ٹیک، بنگلور میں انجینیر ہے۔ دو بیٹے محمد ثاقب بی۔ای، یم ٹیک انجینیر ہے، ایک اور بیٹا محمد عاقب بی بی یم کر چکا ہے۔ ہاسپیٹ کے پٹیل نگر میں فریدہ اور چھوٹا بیٹا خاص گھر میں ہیں۔ یاسمین کی نوکری اور محمد ثاقب کی تعلیم کے لئے بنگلور کے لکسندر محلّہ میں عبدالرؤف مقیم ہیں۔ یاسمین شادی کے بعد بنگلور میں مقیم ہیں۔

دوسری بیٹی کا بیاہ ہاسپیٹ میں ہی کیا گیا ہے۔ دونوں بیٹوں کا بیاہ ہوگیا ہے جن کے ایک ایک دو بچے بھی ہیں۔ عظمت اللہ کا حال ہی میں انتقال ہوگیا، بیوی میمونہ بی عبداللہ کے ساتھ ہاسپیٹ میں ہے۔

چھوٹے امام صاحب کی چھوٹی بیٹی زہرہ بی: اس خاندان کی متمول خاتون، کئی ایک جائدادیں قلعی گر محلّہ میں تھیں۔ان کا ایک بیٹا اسمٰعیل اور ایک بیٹی خاتون بی۔ میمونہ بنت عبدالکریم بھائی کی بیٹی کو متبنیٰ بنالیا تھا۔ دیگر تفصیلات پردۂ خفا میں ہیں۔

مرتب کا تعارف

میری پیدائش ۲۷/ستمبر ۱۹۵۰ء مطابق ۱۴/ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ صبح ۶ بجے بروز بدھ چتلدرگ میں ہوئی ابتدائی دینی تعلیم والد محترم کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔ پرائمری سے ڈگری تک کی تعلیم چامراج نگر میں ہوئی۔ پی یوسی کے ساتھ ساتھ ٹائپنگ کا متحان اور دکشن بھارت ہندی پرچار سبھا مدراس سے ہندی میں راشٹر بھاشا وشارد کا امتحان پاس کیا۔ پھر مانسا گنگوتری میسور میں یم۔اے اردو اور یم اے مڈل ایسٹرن اسٹڈیس میں داخلہ لیا۔ اس طرح یہ دونوں ڈگریاں فسٹ کلاس سنہ ۱۹۷۵ء میں ایک ساتھ حاصل کیں۔

تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد بفضلہٖ تعلیٰ ۹/دسمبر ۱۹۷۵ء فرسٹ گریڈ کالج سرا میں اردو لکچرر کی ملازمت ملی۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ پی ایچ ڈی کی تیاری کا موقع ملا۔ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم بنگلور یونیورسٹی کے شعبہ اردو کی صدر تھیں۔ انہیں کی نگرانی میں گولکنڈہ کے عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر غواصیؔ پر مقالہ تیاری میں مصروف رہا۔ ۱۹۸۲ء میں آپ کا تقرر ترقی اردو بیورو دہلی ہوگیا تو یہ معاملہ طول پکڑا۔ مورخہ پہلی جنوری ۱۹۸۶ء میں لکچرر سے ریڈر بنا۔ اسی دوران سرا کے تاریخی حالات کو اکٹھا کر کے مختصر تاریخ بعنوان 'سرا تاریخ کے آئینہ میں' کرناٹک اردو اکاڈمی کے مالی تعاون سے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ محمد حسن دہلی کا اسٹیج ڈراما ضحاک ہندوستانی ایمرجنسی پر منحصر سیاسی تمثیل ہے۔ کنڑا میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ رویندر کلا کشیترا بنگلور میں اس ڈرامے کے روزانہ دو شو تین دن تک سٹیج کیئے گئے۔ ڈراما کے شائقین اور دانشور طبقے میں اس کی بہت پذیرائی ہوئی۔

۱۹۸۸ء میں گورنمنٹ آرٹس کالج ٹمکور تبادلہ ہوا۔ ۲۲/ستمبر ۱۹۸۹ء میں غواصی کی مثنویوں کا تنقیدی مطالعہ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا ہوئی، بنگلور یونیورسٹی کی یہ پہلی پی ایچ ڈی کی ڈگری تھی (یہ مقالہ کرناٹک اردو اکاڈمی کے مالی اشتراک سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا) ۱۹۹۰ء میں کتاب ڈرامے کا فن

اور انار کلی، فخر الدین علی میموریل کمیٹی لکھنو کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ اضراب سلطانی رفتح نامہ ٹیپو سلطان میں ۱۹۹۰ء شائع کیا۔ دنیا بھر کے ادبی حلقوں میں اس کی کافی پذیرائی ہوئی۔ کرنا ٹک اردو اکاڈمی نے اس کتاب پر ۱۹۹۳ء میں انعام سے نوازا۔ ۱۹۹۲ء میں بزرگ ساتھی ابوتراب خطائی ضامن کے اشتراک سے تصوف اور صوفیائے کرام مرتب کی، ہر طبقہ میں کافی پسند کی گئی۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۹۵ء تا ۱۳ جون ۲۰۰۱ء تک کرنا ٹک اردو اکاڈمی کا رکن نامزد ہوا۔ اکادمی کے اس چھ سالہ مدت میں مختلف کمیٹیوں کا رکن رہا اور مختلف کتابوں کی تدوین و اشاعت عمل میں آئی۔ کنڑا اردو ڈکشنری، اردو کنڑا ڈکشنری کے نئے ایڈیشن، ۱۹۹۷ء تحریک آزادی ہند اور مجاہدین آزادی ۱۹۹۸ء، انگریزی کنڑا اور اردو سہ لسانی لغت کی تدوین ۲۰۰۱ء کے مرتبین میں شامل تھا، جو کرنا ٹک اردو اکاڈمی نے شائع کیں۔ مینا ستونتی کا تنقیدی جائزہ، تذکرہ محققین کرنا ٹک، ۱۹۹۷ء میں شائع کیا۔ دکھنی لغات کی از سرنو ترتیب و اضافہ کے ساتھ ساتھ ایک ضمیمہ دکھنی ضرب الامثال کا نیا ایڈیشن، فن شاعری معہ ترتیب و اضافہ کا نیا ایڈیشن ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔ ڈراما ٹیپو سلطان کنڑا سے اردو ترجمہ ۲۰۰۰ء، (اس کتاب پر کرنا ٹک اردو اکادمی نے سلور جوبلی انعام سے نوازا) رہنمائے بیجاپور کنڑا سے اردو ترجمہ، کنڑا اور اردو کے گنیان پیٹھ ایوارڈ یافتگان یہ تینوں کتابیں کرنا ٹک اردو اکادمی نے ۲۰۰۱ء میں شائع کیں۔ اردو ڈرامے دروازے کھول دو، چاند بی بی، کھڑکیاں اور انسان کا کنڑا میں ترجمہ ہوا جس کو کنڑا اساہتیہ اکاڈمی بنگلور نے اپنے سہ ماہی رسالہ 'انی کیتنا' میں ۱۹۹۹ اور ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔ کنڑا کے دو افسانے اردو میں بعنوان جنگ اور شورش روز نامہ سالار بنگلور میں شائع ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے سوانحی حالات مرتبہ حضرت العلام مولانا خواجہ معانی اجمیری کی کتاب کا کنڑا ترجمہ ۲۰۰۵ء میں کیا گیا جسے حریرا اکادمی بنگلور نے ۱۹۹۸ء شائع کیا اس کتاب کی کنڑا حلقوں میں خوب پذیرائی رہی۔ ۲۰۰۶ء میں تلکا ڈ چک رنگے گوڈا کی کنڑا کتاب شرنگیری شاردامبا کی از سرنو تنصیب کرنے والا بادشاہ ٹیپو سلطان کا اردو ترجمہ 'بے مثال قابل تقلید بادشاہ ٹیپو سلطان کے عنوان سے شائع

کیا۔جس پر ٹیپو سلطان پر چار سمیتی بنگلور نے ۲۹/دسمبر ۲۰۰۱ء میں ٹیپو رتن ایوارڈ دیا۔اکھل بھارتیہ بھاشا ساہتیہ سمیلن کے سترھویں اجلاس،منعقدہ بنگلور نے ساہتیہ شری ایوارڈ مورخہ ۱۵/ جولائی ۲۰۰۴ء عطا کیا،کسی اردو ادیب کے مجموعی ادبی خدمات کے اعتراف میں یہ پہلا ایوارڈ حاصل ہوا۔۲۰۰۵ء میں اللہ کے فضل سے فریضۂ حج ادا ہوا۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے سوانحی کوائف کا عبدالمجید خان کے اشتراک سے کنڑا میں ترجمہ کر کے ۲۰۱۲ء شائع کیا۔

آل انڈیا ریڈیو بنگلور سے مختلف موضوعات پر ادبی تقاریر نشر ہوئے۔طلباء کے لئے کرناٹک اردو اکادمی سے منعقد ہونے والے کئی مسابقوں کا اہتمام کیا۔انعامات سے طلباء وطالبات کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

بنگلور یونیورسٹی کے بورڈ آف سٹڈیس کا رکن نامزد ہونے کے بعد ۲۰۰۲ تا ۲۰۱۰ء تک ۱۴/کتابوں کی تدوین کے مرتبین میں سے ایک تھا۔بورڈ آف یکزامینرس کا رکن اور چیرمن رہا۔اس کے ساتھ ساتھ کرناٹکا اوپن یونیورسٹی مانسا گنگوتری میسور کے بورڈ آف سٹڈیس اور بورڈ آف یکزامینرس کا رکن بھی رہا۔طالب علمی کے زمانے سے سروس کے ختم ہونے تک کئی اداروں اور انجمنوں کا رکن،معتمد اور صدر رہا۔اس کے علاوہ ۱۹۷۳ء سے اب تک مختلف تنقیدی،اصلاحی ،ادبی مضامین ملک کے موقر اخبارات،رسائل وجرائد میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں جن کی تعداد زائد از ۵۰ ہے۔کئی کتابوں پر مقدمے لکھے۔اس کے علاوہ کئی ورک شاپ اور مختلف ٹریننگوں میں حصہ رہا جن کی تعداد زائد از ۳۰ ہے۔مقامی، بیرونی اور کل ہند سیمناروں میں حصہ لیا اور کئی جگہ اپنے مقالے پیش کئے۔عالمی رابطہ اسلامی (شاخ کرناٹک) کا رکن ہوں۔

۷ امئی ۲۰۰۷ء میں حکومت نے ترقی دے کر کولار سے کولار گولڈ فیلڈ (کے جی یف) میں نئی سرکاری کالج کی تاسیس کیلئے تبادلہ کیا۔۱/اپریل ۲۰۰۸ء کو پرنسپال کی حیثیت سے ترقی ہوئی۔ یہاں بی۔اے،بی۔یس سی،بی۔کام اور بی بی یم کے کورس شروع کئے۔جو بچے کئی وجوہات سے اعلیٰ تعلیم نہیں

حاصل کر پائے تھے ان سب نے اس سرکاری کالج کے کھلنے سے اپنی تعلیم کو آگے بڑھایا۔ خاص کر مسلم بچیوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا اور امتیازی کامیابیاں حاصل کیں جس کی مجھے از حد خوشی ہے۔ حکومت کے بدلنے کے باعث وظیفہ یابی کے دو ماہ قبل، کے۔ آر پیٹ تبادلہ ہوا۔ جہاں دو ماہ تک ملازمت کرنے کے بعد بہ عمر ۶۰ سال ۲۰۱۰ء بحسن وخوبی وظیفہ پر سبکدوش ہوا۔ دوران ملازمت جو ادبی کام ادھورے رہ گئے تھے، انہیں اب جٹا رہا ہوں۔

مسجد آفتاب گنڈل پیٹ روڈ چام راج نگر نچلی منزل تعمیر کردہ ملکہ جان زوجۂ ڈاکٹر محمد صبغتہ اللہ

جماعتی خدمات:

وظیفہ یابی کے بعد رائیدرگ میں ہی ایک نئی مسجد، مسجد اقصیٰ اہل حدیث تعمیر ہوئی، جماعت کی بڑھتی تعداد اور جگہ کی تنگی کے باعث ضروری تھا کہ بازو کی جگہ خرید لی جائے کچھ رقم بھی اکٹھا کر لی تھی اللہ نے توفیق دی کہ بقیہ رقم لگا کر وہ جگہ خرید لی جائے اور مسجد کے نام رجسٹر ہو جائے، الحمدللہ بھائی عبد الخالق بن عبدالغنی سیفی کی کوششوں سے کامیاب رہا۔ مدھوگری میں مسجد اہل حدیث کی نئی جگہ کی خریدی کے لئے وہاں کے اراکین آئے تھے۔ اللہ کی توفیق سے جگہ کی خریدی میں حصہ لینا ہوا۔ ہر سال مدرسہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ ودیگر مساجد ومدارس کے علاوہ، آرٹی نگر کے اسلامک سٹڈیز سنٹر کے تحت کئی فلاحی تعلیمی اور دعوتی کام ہو رہے ہیں ان کے لئے بھی حسب توفیق حتی الامکان مدد جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کار خیر میں خیر وبرکت عطا کرے اور یہ سلسلہ تاحیات جاری رکھے۔ آمین۔

حوالجاتی کتب ومکتوبات

تذکرۃ البلاد والحکام: میر حسین علی کرمانی

تذکرہ: مولانا محمد عبداللہ مرحوم مخطوطہ، روزنامچے

مکتوبات: مولانا محمد عبداللہ صاحب، مولانا عبدالغنی سیفی عمری، مولانا عبدالباسط ریاضی رائیدرگ

نقوش حیات: محمد انور محمد قاسم سلفی مقیم کویت

تابندہ نقوش: عبدالوہاب عبذ العزیز جامعی ہرپن ہلی

سرگذشت چامراج نگر: مولوی محمد غوث چامراجنگر

انٹرنیٹ: چامراج نگر ڈسٹرکٹ انفارمیشن

Aks-E-Hayat

Biograghy of Moulana Mohammed Abdullah Saheb Jamai Sayeedi by Dr Mohammed Sibghatullah. Bengaluru - 560032

© Compiler

Year of Publication 2015

Cover page : Javed Iqbal Jamai, Karnool

Photo curtesy: Mohd. Razaullah, Adnan Shafqat & Junaid

Graphics: Adnan Shafqat (BBM) Bengaluru

Pages 188

Publisher: Compiler

Copies available at Malik Publications

Ganganagar #50/12 Aashiyana 4th Main Vasanthappa Block

Bengaluru - 560032

Mob: **+919448353825**